بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم
وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ
ہفت روزہ بدر قادیان
ایڈیٹر:- برکات احمد راجیکی
اسسٹنٹ ایڈیٹر محمد حفیظ بقاپوری
شرح چندہ سالانہ چھ روپے
تواریخ اشاعت:- ۷-۱۴-۲۱-۲۸ — فی پرچہ ۲ آنے
جلد ۲ | ۱۴ تبوک ۱۳۳۲ ہش - ۵ محرم ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۵۳ء | نمبر ۳۴

جواہر پارے!

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی اپنی جماعت کو نصائح

"اگر تم روح القدس کی تاثیر سے بولنا چاہتے ہو تو تمام نفسانی جوش اور نفسانی غضب اپنے اندر سے باہر نکال دو۔ تب پاک معرفت کے بھید تمہارے ہونٹوں پر جاری ہوں گے اور آسمان پر تم دنیا کے لئے ایک مفید چیز سمجھے جاؤ گے اور تمہاری عمریں بڑھائی جائیں گی۔ تمسخر سے بات نہ کرو اور ٹھٹھے سے کام نہ لو۔ اور چاہیئے کہ سفلہ پن اور اوباش پن کا تمہارے کلام میں کچھ رنگ نہ ہو۔ تا حکمت کا چشمہ تم پر کھلے۔ حکمت کی باتیں دلوں کو فتح کرتی ہیں۔ لیکن تمسخر اور سفاہت کی باتیں فساد پیدا کرتی ہیں۔ جہاں تک ممکن ہو سکے سچی باتوں کو نرمی کے لباس میں بتاؤ۔ تا سامعین کے لئے موجب ملال نہ ہوں۔ جو شخص حقیقت کو نہیں سوچتا اور نفس سرکش کا بندہ ہو کر بدزبانی کرتا ہے اور شرارت کے منصوبے جوڑتا ہے وہ ناپاک ہے۔ اس کو کبھی خدا کی راہ نہیں ملتی اور نہ کبھی حکمت اور حق کی بات اس کے منہ پر جاری ہوتی ہے۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ خدا کی راہیں تم پر کھلیں تو نفسانی جوشوں سے دور رہو اور کھیل بازی کے طور پر بحثیں مت کرو کہ یہ کچھ چیز نہیں اور وقت ضائع کرنا ہے۔ بدی کا جواب بدی کے ساتھ مت دو۔ نہ قول سے نہ فعل سے۔ تا خدا تمہاری حمایت کرے اور چاہیئے کہ درد دل کے ساتھ سچائی کو لوگوں کے سامنے پیش کرو نہ ٹھٹھا اور ہنسی سے۔ کیونکہ مُردہ ہے وہ دل جو ٹھٹھا ہنسی اپنا طریق رکھتا ہے۔ اور ناپاک ہے وہ نفس جو حکمت اور سچائی کے طریق کو نہ آپ اختیار کرتا ہے اور نہ دوسرے کو اختیار کرنے دیتا ہے۔ سو تم اگر پاک علم کے وارث بننا چاہتے ہو تو نفسانی جوش سے کوئی بات منہ سے مت نکالو۔ کہ ایسی بات حکمت اور معرفت سے خالی ہوگی اور سفلہ اور کمینہ لوگوں اور اوباشوں کی طرح نہ چاہو کہ دشمن کو خواہ ہتک آمیز اور تمسخر کا جواب دیا جائے۔ بلکہ دل کی راستی سے سچا اور پر حکمت جواب دو۔ تا تم آسمانی اسرار کے وارث ٹھہرو۔" (نسیم دعوت صفحہ ۱)

خوش قسمت لوگ

"کیا ہی خوش قسمت وہ لوگ ہیں جو اپنے دلوں کو صاف کرتے ہیں اور اپنے دلوں کو ہر ایک آلودگی سے پاک کر لیتے ہیں اور اپنے خدا سے وفاداری کا عہد باندھتے ہیں کیونکہ وہ ہرگز ضائع نہیں کئے جائیں گے۔ ممکن نہیں کہ خدا اُن کو رسوا کرے کیونکہ وہ خدا کے ہیں اور خدا اُن کا۔ وہ ہر ایک بلا کے وقت بچائے جائیں گے۔ احمق ہے وہ دشمن جو ان کا قصد کرے کیونکہ وہ خدا کی گود میں ہیں اور خدا اُن کی حمایت میں۔ کون خدا پر ایمان لایا؟ صرف وہی جو ایسے ہیں۔ ایسا ہی وہ شخص بھی احمق ہے۔ جو ایک بیباک گنہگار، بد ظن اور شریر النفس کے فکر میں ہے کیونکہ وہ خود ہلاک ہوگا۔ جب سے خدا نے آسمان اور زمین کو بنایا۔ کبھی ایسا اتفاق نہ ہوا کہ اس نے نیکوں کو تباہ اور ہلاک اور نیست و نابود کر دیا ہو بلکہ وہ ان کے لئے بڑے بڑے کام دکھلاتا رہا ہے۔ اور اب بھی دکھلائے گا۔ وہ خدا نہایت وفادار خدا ہے اور وفاداروں کے لئے اس کے عجیب کام ظاہر ہوتے ہیں۔ دنیا چاہتی ہے کہ ان کو کھا جائے اور ہر ایک دشمن ان پر دانت پیستا ہے مگر وہ جو اُن کا دوست ہے۔ ہر ایک ہلاکت کی جگہ سے اُن کو بچاتا ہے اور ہر ایک میدان میں اُن کو فتح بخشتا ہے۔ کیا ہی نیک طالع وہ شخص ہے جو اس خدا کا دامن نہ چھوڑے۔ ہم اُس پر ایمان لائے۔ ہم نے اُس کو شناخت کیا۔ تمام دنیا کا وہی خدا ہے۔"

ہمارا خدا

"ہمارے خدا میں بے شمار عجائبات ہیں مگر وہی دیکھتے ہیں جو صدق و وفا سے اس کے ہو گئے ہیں۔ وہ غیروں پر جو اُس کی قدرتوں پر یقین نہیں رکھتے اور اُس کے صادق وفادار نہیں ہیں وہ عجائبات ظاہر نہیں کرتا۔ کیا بدبخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ اُس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں۔ کیونکہ ہم نے خدا کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے۔ اگرچہ جان دینے سے ملے۔ اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں۔ کس دف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لیں۔ اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔" (کشتی نوح)

سب سے بڑا ذریعہ ہدایت کا دعا ہے۔

اخبار احمدیہ

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز مع اہل بیت و بزرگان سلسلہ ربوہ میں خیریت سے ہیں۔ صحت کے متعلق تازہ اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ احباب اپنے مقدس آقا کو اپنی دعاؤں میں یاد کرتے رہیں۔

اُردو زبان دنیا کے نقشہ میں

مندرجہ بالا عنوان سے معاصر "الجمعیۃ" دہلی مورخہ ۱۲ ستمبر میں ایک قابل قدر مضمون شائع ہوا ہے۔ جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اردو زبان نہ صرف ہندوستان اور پاکستان کی مقبول عام اور کثیر الاستعمال زبان ہے۔ بلکہ افغانستان۔ ایران۔ بخارا۔ تاشقند۔ عراق عرب اور افریقہ اور یورپ کے ممالک نیز جزائر مشرق الہند وغیرہ میں بھی اس کی روز بروز قدر بڑھ رہی ہے۔ اور افغانستان کے شاہی خاندان میں تو اس کو بہت ہی مقبولیت حاصل ہے۔

مضمون نگار صاحب نے اس سلسلہ میں مدرسۃ العلوم دیوبند کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ بیرونی ممالک کے جو طلباء اس مدرسہ اور علیگڑھ کی یونیورسٹی میں تعلیم پا کر گئے ہیں وہ اُردو کو مادری زبان کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ اور اس زبان سے محبت رکھتے ہیں۔

اس ضمن میں اس بات کا اظہار کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُردو زبان کی بیرونی ممالک میں ترویج و ترقی میں احمدیہ جماعت اور اس کے مراکز قادیان اور ربوہ کا اہم حصہ ہے۔ احمدیہ جماعت کے مراکز سے نکل کر احباب کثرت کے ساتھ بیرونی ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور وہ جہاں بھی جاتے اور رہتے ہیں اردو زبان کی ترقی کے لئے کوشش کرتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں یورپ، امریکہ اور افریقہ میں احمدیہ مشنوں کے ذریعہ اُردو کی ترقی اور ترویج بہت عمدگی سے ہو رہی ہے۔

سینکڑوں احمدی جو جماعت کے مقدس مراکز میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بود و باش رکھتے رہے ہیں۔ اور اس چشمہ سے سیراب ہو کر گئے ہیں۔ اُردو کے دلدادہ اور اس زبان کے ماہر ہو گئے ہیں۔ اور اپنے اپنے ملک میں اس زبان کو پھیلانے میں مؤثر کام کر رہے ہیں۔

جس وسعت اور عمدگی سے احمدیہ جماعت کے ذریعہ غیر ممالک میں اُردو کی ترقی ہوئی ہے۔ اور ہو رہی ہے اس کی نظیر کسی اور ادارے یا تنظیم میں نہیں مل سکتی۔

آج احمدی احباب دنیا کے طول و عرض میں اپنا مذہبی فریضہ بجا لاتے ہوئے اُردو زبان کی جو خدمت کر رہے ہیں۔ وہ یقیناً اُردو کے ہر بہی خواہ کے لئے باعث تحسین و افتخار ہے۔ اور ہمیں اُمید ہے۔ کہ اس زبان کی ترقی و ترویج کو کوئی طاقت روک نہ سکے گی۔ کیونکہ موجودہ زمانہ کے مامور اور ریفارمر نے اس زبان کو اپنی ہدایت اور نور کے پھیلانے کا ذریعہ بنایا ہے۔

بھائی عبدالرحمٰن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے راما آرٹ پریس امرتسر میں چھپوا کر دفتر اخبار بدر قادیان سے شائع کیا۔

کشمیر کا ایک مسلمان تاجدار ہندوؤں کی نظر میں

اخبار ملاپ کا مضمون

مسلمان بادشاہوں نے جس رواداری۔ سیرچشمی اور قابلیت سے ہندوستان پر حکومت کی ہے اور جس طرح رعایا کے سب طبقات اور جملہ مذاہب کے پیروان ان کی حکومت سے خوش تھے۔ اس کی نظیر کسی اور حکومت میں ملنی مشکل ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ تعصب سے اندھے اور ملک کے بدخواہ آج ان عظیم القدر بادشاہوں میں سوائے برائی اور ظلم کے کچھ نہیں دیکھتے اور ہر وقت ملک کے ان روشن ستاروں پر گرد ڈالنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

یہ لوگ مذہبی اور قومی تعصب کا اس قدر شکار ہو چکے ہیں کہ ان بادشاہوں کو مطعون کرتے وقت ملکی اتحاد و اتفاق اور ترقی کے اسباب کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور ان اخلاقی قدروں کو بھی بھلا دیتے ہیں جو شریف قوم اور افراد کا طغرائے امتیاز ہیں۔ بھلا وفات یافتہ لوگوں کو خواہ مخواہ مورد الزام بنانا، ان کو گالیاں دینا اور ان پر جھوٹے اتہامات عائد کرنے اپنے عناد اور دشمنی کے جذبات کو تسکین دینا کون سی شرافت اور بلند کرداری ہے؟ آخر انگریزوں کا یہ نفرت کا بویا ہوا بیج کب تک سرسبز ہوتا رہے گا۔ کیا یہی آزاد قوموں اور ملکوں کا کردار ہونا ہے۔ اور یہی پراچین سبھیتا ہے۔ جس پر ہمیں فخر ہے۔

ذیل میں ہم کشمیر کے ایک مسلمان بادشاہ کے مختصر حالات، بلند اخلاق اور بے مثل رواداری کا کسی قدر ذکر اخبار ملاپ لاہور مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۲۳ء سے نقل کرتے ہیں۔ تاکہ اس سے دوسرے مسلم بادشاہوں کے طرز حکومت کی بھی کچھ جھلک نظر آ سکے۔ (ایڈیٹر)

"سلطان زین العابدین جسے بوجہ عظمت بڈ بادشاہ کہتے ہیں ایک بے نظیر مسلم حکمران گذرا ہے۔ اس نے کشمیر میں بہت سے صنعت کے کام جاری کئے۔ انہار کو درست کیا۔ زراعت کے ذرائع وسیع کئے۔ اور دیگر کام بہبودی خاص کے لئے رائج کئے۔ وقت آئے گا۔ کہ اس کے مفصل حالات پبلک کے سامنے رکھے جائیں گے۔ اکبر کی ہندو قوم مداح ہے۔ لیکن جب مقابلہ میں دونوں کے کارنامے ظاہر ہوں گے۔ تو غالب ہے کہ بڈ بادشاہ ہندوؤں کی ستائش اور آفرین کا بدرجہ اولیٰ مستحق ثابت ہوں گے۔ اس کے عہد میں سب سے بڑا کر جو امن رعایائے کشمیر کو تھا۔ وہ یہ تھا کہ اس کے وجود میں تعصب اور ظلم و تعدی کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ شیر بکری کے ایک گھاٹ پانی پینے کی مثال اُسی زمانہ پر صادق آتی ہے۔ کیا مجال کہ کوئی شخص کسی سے ظلم تو درکنار سختی سے بھی پیش آئے کسی مسلمان کو یہ جرأت نہ تھی۔ کہ ادنیٰ سے ادنیٰ ہندو کا دل دکھا سکے۔ بلکہ یہ بادشاہ ہندوؤں کو مسلمانوں سے بھی زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اور ہر ایک مذہب وملت کی دلجوئی میں ہمہ تن ساعی رہتا تھا۔ سلطان سکندر اور علی شاہ کے زمانہ سے ہندوؤں پر جو ظلم اور سختیاں ہو رہی تھیں۔ اس نے ان سب کا تدارک بخوبی کر دیا۔ ہندو مذہب کو از سر نو عروج دیا۔ جو ہندو راجگان کے زمانے میں بھی اُسے نصیب نہ تھا۔ ظلم رسیدوں کو بڑی بڑی جاگیریں اور اعلیٰ مراتب عطا کر کے اُن کے افسردہ دلوں کو تر و تازہ کر دیا۔ جن لوگوں کی جاگیریں غضب الٰہی (سیلاب و زلزلہ) میں آ کر ضبط ہو گئی تھیں۔ اُن کو واپس دے دیں۔ جو لوگ پہلے دقتوں میں ملک چھوڑ کر بھاگ گئے تھے بعض کو تو سلطان نے خود بلا لیا۔ اور بعض خود بخود اس کے جود و سخا کا شہرہ سن کر وطن مالوف کو لوٹ آئے۔ ان کے علاوہ ہندوستان سے کئی برہمن بھی یہاں آ گئے۔ اور انہوں نے یہیں کی بود و باش اختیار کر لی۔ بعض پنڈت جو سابقہ سلاطین کے عہد میں ملک سیف الدین کے ہاتھ سے زبردستی مسلمان کئے گئے تھے انہوں نے پھر اپنا دین اختیار کر لیا۔ کسی فاضل یا مفتی کو جرأت نہ ہو سکتی کہ مواخذہ کرے۔ اہل ہنود کی تمام مذہبی رسومات جو اشاعت اسلام کے بعد بالکل مفقود ہو گئی تھیں۔ پھر زندہ ہو گئیں ان سے ذرّہ ہنود کی سرپرستی یہاں تک کی۔ کہ ان سے ایک تحریر کرا لی۔ کہ وہ اپنے ہندو مذہب کے خلاف کوئی ایسی کارروائی نہ کریں گے۔ جس سے اُن کے عقائد میں فرق آئے۔ اور اُن کے مذہب کو ضعف پہنچے۔ یعنی قشقہ بھی لگائیں اور اپنے آپ کو ہندو بھی کہیں۔ اور جو کچھ اُن کی مذہبی کتابوں میں درج ہے۔ اس پر عمل کریں۔ ہندوؤں کے میلوں اور تیرتھوں میں سلطان بذاتِ خود موجود رہتا تاکوئی شخص اُن کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کرنے پائے۔ پنڈتوں کے بیٹوں کو عربی فارسی تعلیم دلوا کر بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز کیا۔ بعض مندر جو ایام جنگ میں منہدم کئے گئے تھے از سر نو تعمیر کرائے۔ مندر رشی پاشور واقعہ کوہ سلیمان کی مرمت کرائی۔ جس میں چار نئے پتھری ستون لگائے۔ اور اس کی سقف و گنبد کی بھی مرمت کر کے مستحکم و استوار بنا دیا۔ سلطان زبان دانی میں مہارت تامہ رکھتا تھا۔ ہندی فارسی اور تبتی زبانیں بخوبی جانتا تھا۔ طب ہندی کو فارسی لباس پہنا کر کشمیر میں جاری کیا۔ اور شری بھٹ ایک ہندو طبیب کو طبیب شاہی کے اعزاز سے سرفراز فرمایا۔ ہندوؤں کی مذہبی کتابیں جو دستبرد میں آ گئی تھیں ہندوستان سے منگوا کر ملک میں تقسیم کیں۔ وید شاستروں پرانوں اور مہابھارت کا فارسی میں ترجمہ کرایا ہندو مسلمانوں کے دلوں سے ذاتی بغض و عناد کی جڑ کاٹ دی۔ جس کا اثر آج تک کشمیر کے دونوں طبقوں میں پایا جاتا ہے۔ یعنی موجودہ زمانہ میں بھی کشمیری ہندو مسلمانوں کے تعلقات اور برتاؤ دوسرے ممالک کے لئے بھی قابلِ رشک ہیں۔

انہی ایام میں سلطان کے ہاتھ پر ایک پھوڑا نکلا۔ جس سے وہ سخت لاچار ہو گیا۔ آخر جب حکیم شری بھٹ کے معالجہ سے اُسے صحت ہوئی۔ تو اُس نے حکیم موصوف کو انعام دینا چاہا۔ لیکن اُس نے کسی قسم کا نقدی انعام لینے سے انکار کر دیا۔ اور درخواست کی۔ کہ میری قوم کو زیر و زبر جزیہ معاف کر دیا جائے۔ اس کی یہ درخواست پایۂ قبولیت کو پہنچی۔ اور لوگ جزیہ کی مصیبت سے آزاد ہو گئے۔ سلطان نے ایک ہندو برہمن کو وزیر تعلیمات مقرر کیا۔ مندروں کے اخراجات کے لئے جاگیریں عطا کیں۔ اور سلطان کے حکم سے ہر مندر کے ساتھ ایک پاٹھ شالا (مدرسہ) بھی تعمیر کی گئی۔ جن میں ہندو ودیارتھی (طلباء) آزادی سے اپنا علم حاصل کیا کرتے تھے۔ دارالترجمہ کا افسر اعلیٰ بھی ایک برہمن کشمیری تھا۔ جس کے ماتحت بڑے بڑے قابل مسلمان تھے۔

سلطان نے ہندوؤں کے ساتھ ایک اور رعایت یہ کی۔ کہ اُن کے قومی اور مذہبی مقدمات کے انفصال کیلئے ہندو جج مقرر کئے۔ گاؤکشی جو عہد اسلام سے جاری ہو گئی تھی اور سلطان سکندر اور علی شاہ کے زمانہ میں زوروں پر تھی۔ اس ہردلعزیز امن پسند اور رحمدل بادشاہ نے اس کی مخالفت کے احکام جاری کر دیئے نہ صرف یہی کیا۔ بلکہ رسم ستی کو بھی جو ہندوؤں میں قدیم الایام سے چلی آتی تھی۔ اور سابقہ سلاطین کے وقتوں میں بند کر دی گئی تھی۔ ہر چند کہ زین العابدین بھی اس رسم کے اجرا پر راضی نہ تھا اور ستی کو ایک صریح ظلم سمجھتا تھا لیکن ہندوؤں کی خاطر سے اس رسم کو پھر جاری کر دیا۔ جس سے جملہ اہل ہنود اس کے از بس احسان مند ہو گئے۔ شکار کی ممانعت تھی۔ کیونکہ رعایا کا ایک کثیر حصہ اس کو اپنے مذہب کے خلاف سمجھتا تھا۔ بعض بعض ہندو تقریبوں اور تیوہاروں پر گوشت بھی نہیں کھاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے دربار میں بہت سے کشمیری پنڈتوں کو بڑے بڑے عہدے دے رکھے تھے۔ بلکہ جگن ناتھ جی سے لائق و فائق ویدانت کے عالم و فاضل برہمن اور کورو چھتری جا کر کابل بلائے جو معقول مشاہروں پر تھے۔ جن کی قدر و منزلت مسلمان درباریوں سے بھی زیادہ کرتا تھا۔ اور اُن کی صحبت سے اکثر مستفید ہوتا رہتا تھا۔ الخ۔"

(اخبار ملاپ لاہور ۱۸ نومبر ۱۹۲۳ء)

افسوسناک وفات

یہ اطلاع نہایت رنج و افسوس سے سنی جائے گی کہ جناب مولوی عبد الرحمٰن صاحب فاضل ناظر اعلیٰ و امیر جماعت قادیان کی دوسری اہلیہ ناصرہ بیگم صاحبہ زچگی کی حالت میں مورخہ ۹ ستمبر دس بجے بوقت شب بریلی میں وفات پا گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ مغفورہ مخلصہ۔ عابدہ اور کم گو تھیں۔ اور سلسلہ کی خدمات کے لئے نہایت عمدہ جذبہ رکھتی تھیں۔ لجنہ اماء اللہ مرکزیہ قادیان میں سیکرٹری مال کے عہدہ پر تھیں۔ ابھی شادی کو دس گیارہ ماہ کا عرصہ ہوا تھا کہ اپنے مولیٰ حقیقی سے جا ملیں۔

ہم اس جانکاہ صدمہ میں حضرت مولوی صاحب اور قریشی محمد یونس صاحب کے خاندان کے جملہ افراد سے دلی افسوس و تعزیت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور احباب سے درخواست دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ جملہ متعلقین کو صبر و رضا سے اس صدمہ کو برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر طرح سے حافظ و ناصر ہو۔

وکل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

کیا ہم نے اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں سے کاٹ رکھا ہے؟

ایک نوجوان کے سوال کا جواب

از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے

غالباً مارچ ۱۹۵۳ء کے اواخر کی بات ہے۔ کہ سرگودھا کے ایک نوجوان دوست (جو غالباً وہاں کے کسی کالج میں پڑھتے ہیں) میرے پاس ربوہ میں تشریف لائے۔ اور ایک مخالف مولوی صاحب کا ایک رسالہ میرے سامنے کر کے کہنے لگے کہ اس رسالہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے بعض حوالہ جات ایسے درج ہیں جن سے مصنف رسالہ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جماعت احمدیہ نے گویا اپنے آپ کو خود دوسرے مسلمانوں سے کاٹ کر الگ کر رکھا ہے۔ اور ساتھ ہی اس نوجوان نے یہ بھی بتایا کہ اس رسالہ میں ایک حوالہ آپ کا (یعنی خاکسار مرزا بشیر احمد کا) بھی درج ہے۔ اور اس سے بھی اس قسم کا استدلال کیا گیا ہے۔

چونکہ اس وقت یہ خاکسار ملکی فسادات سے پیدا شدہ حالات کے نتیجہ میں بعض انتظامی کاموں میں بہت مشغول تھا۔ اور طبیعت میں خاطر خواہ یکسوئی نہیں تھی۔ اس لئے اس وقت اس نوجوان کو صرف اس قدر اصولی جواب دینے پر اکتفا کیا گیا کہ حوالہ جات کی تشریح میں اکثر ناواجب تصرف سے کام لیا جاتا ہے۔ اور بیشتر صورتوں میں حوالے سیاق و سباق یا ماحول سے کاٹ کر پیش کر دیئے جاتے ہیں۔ تاکہ اپنے مفید مطلب نتیجہ نکال کر عوام کو دھوکے میں ڈالا جائے۔ اور میں نے یہ بھی کہا کہ میرے اس حوالہ کا (جو رسالہ کلمۃ الفصل سے ماخوذ ہے) وہ مطلب نہیں ہے جو بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جماعتی تنظیم کی تکمیل اور اس کی چاردیواری کی تعیین کی غرض سے اپنی جماعت کے لئے نماز اور رشتہ ناطہ وغیرہ کے معاملہ میں بعض حد بندیاں لگائی ہیں۔ مگر ان حد بندیوں سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ ہم دوسرے مسلمانوں سے کلی طور پر کٹ گئے ہیں۔ بلکہ صرف بعض خاص جماعتی امتیازات اور جماعتی حد بندیوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

اس نوجوان کو اس وقت کی غیر معمولی مصروفیت اور عدم یکسوئی کی وجہ سے میں اس اصولی جواب کے سوا اور جواب نہیں دے سکا۔ اور اس کے بعد کئی ماہ تک پریشانیوں کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ اور جماعت ان امتحانوں میں سے گزرتی رہی۔ جو ہر مامور من اللہ کے زمانہ میں الٰہی جماعتوں کے لئے مقدر ہوتے ہیں۔ اور ابھی معلوم نہیں کہ اور کتنے امتحان باقی ہیں و نفوض امرنا الی اللہ نعم المولیٰ و نعم النصیر

لیکن اب مجھے یاد آیا ہے کہ میری تصنیف کلمۃ الفصل کے آخر میں جو چند حد اعتراضات غیر مبایعین کی طرف سے درج کر کے ان کا جواب دیا گیا ہے (اور یاد رہے کہ میری یہ تصنیف میری طالب علمی کے زمانہ کی ہے) ان میں سے گیارھویں اعتراض کے جواب کے متعلق کتاب کے پہلے ایڈیشن کے وقت بھی بعض جلد باز لوگوں کی طرف سے یہ اعتراض اٹھایا گیا تھا کہ اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ جماعت کو دوسرے مسلمانوں سے کلی طور پر کاٹ لیا گیا ہے (حالانکہ میری تحریر کا ہرگز منشاء نہیں تھا۔ بلکہ صرف ایک محدود میدان کو سامنے رکھ کر اور صرف غیر مبایعین احباب کو مخاطب کر کے اس قسم کے الفاظ لکھے گئے تھے۔ کہ جماعتی تنظیم میں یہ یہ حد و دقائم کی گئی ہیں۔ اور یہ کہ ہمیں جماعت کی اس چاردیواری کو ملحوظ رکھنا چاہیئے) چنانچہ اس غلط فہمی کے پیش نظر اس رسالہ کے دوسرے ایڈیشن کے وقت جو ۱۹۴۱ء میں (یعنے آج سے بارہ سال قبل) قادیان سے شائع ہوا میری طرف سے یہ صراحت کر دی گئی تھی۔ کہ یہ نتیجہ نکالنا سراسر غلط ہے۔ کہ ہم دوسرے مسلمانوں سے کلی طور پر کٹ گئے ہیں۔ بلکہ جہاں ہمیں بعض مسائل اور معتقدات میں دوسرے مسلمانوں سے اختلاف ہے وہاں ہمیں بہت سے دوسرے مسائل اور معتقدات میں ان سے اتفاق بھی ہے۔ چنانچہ میں نے رسالہ کلمۃ الفصل کے دوسرے ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۴۱ء میں صراحتاً لکھا تھا کہ:

"یقیناً دوسرے منکرین کی نسبت غیر احمدی ہمارے بہت زیادہ قریب ہیں۔ اور ہماری کتاب اور ہمارا کلمہ اور ہمارا شارع رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) ایک ہے.... پس اگر غیر احمدیوں سے دوسرے منکرین کی نسبت بعض امور میں امتیازی سلوک روا رکھا جائے۔ تو یہ ایک بالکل جائز اور معقول فعل ہوگا جس پر کسی شخص کو اعتراض نہیں ہونا چاہیئے"

(کلمۃ الفصل ایڈیشن دوم مطبوعہ ۱۹۴۱ء صفحہ ۱۱۸)

اس واضح اور بیّن حوالے سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ کلمۃ الفصل کے پہلے ایڈیشن کی کسی عبارت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ گویا ہم نے اپنے آپ کو غیر احمدیوں سے کلی طور پر کاٹ لیا ہے اور ان کے ساتھ ہمارا کوئی اشتراک نہیں رہا۔ انتہا درجہ کا ظلم اور افترا پردازی ہے۔ جس کی کوئی انصاف پسند اور دیانتدار شخص جرأت نہیں کر سکتا میں نے تو صریح اور واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ:۔

"ہماری کتاب اور ہمارا کلمہ اور ہمارا شارع رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) ایک ہے"۔

کیا اس واضح تشریح اور ان محکم الفاظ کے ہوتے ہوئے کلی انقطاع والی تشریح کسی معقول انسان کے نزدیک قابل قبول سمجھی جا سکتی ہے؟ اور جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں یہ الفاظ آج پاکستان میں نہیں لکھے گئے بلکہ آج سے بارہ سال قبل قادیان میں لکھے گئے تھے۔ جبکہ ہمارے موجودہ مخالفین کے اعتراضوں کا وجود تک نہ تھا۔

پھر یہ بات بھی ہرگز فراموش نہیں کی جا سکتی اور یہ ایک خاص نکتہ ہے جو یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہماری یہ تصانیف جن سے اس قسم کے غلط استدلال کئے جاتے ہیں۔ غیر احمدیوں کو مخاطب کر کے نہیں لکھی گئیں۔ بلکہ احمدیوں کے ہی طبقہ غیر مبایعین کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہیں۔ جو اپنی کمزوری کے نتیجہ میں ان حدود کو توڑنے کے درپے تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جماعت کی مضبوطی اور تنظیم کے پیش نظر قائم فرمائی تھیں اور ظاہر ہے کہ ایسے خطرہ کے موقعہ پر لازماً احتیاط اور پیش آمدہ خدشات کی بناء پر زیادہ تاکید اور زیادہ شدت سے کام لیا جاتا ہے۔ تا جماعت کا کوئی کمزور طبقہ لغزش نہ کھا جائے اور پھر ایسے ماحول میں بعض اوقات تشریح اور توضیح کی غرض سے بعض خاص اور نئی اصطلاحات بھی موقعہ کے لحاظ سے تجویز کر کے استعمال کر لی جاتی ہیں جو عام حالات میں یا عام خطاب کے وقت استعمال نہیں کی جاتیں۔ و لکلٍّ ان یصطلح

اس تعلق میں یہ اصولی اور بنیادی بات بھی ضرور یاد رکھنی چاہیئے۔ جسے اکثر لوگ بھول جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات ہر مسلمان کہلانے والے سے تعلق رکھتی ہے۔ خواہ وہ کسی فرقہ کا فرد ہو۔ کہ ہر فرقہ کے کوئی نہ کوئی امتیازی نشانات یا مخصوص عقائد ہوتے ہیں۔ جو گویا اس کے لئے چاردیواری کا کام دیتے ہیں۔ اور انہی امتیازی نشانات اور مخصوص عقائد کی وجہ سے ایک فرقہ دوسرے فرقوں سے ممتاز ہوتا اور پہچانا جاتا ہے۔ اور ان مخصوص نشانات اور عقائد کو ترک کرنے کے یہ معنے ہوتے ہیں انہیں ترک کرنے والا فرقہ اپنے ہاتھ سے اپنی ہستی کو مٹا دے۔ بے شک ایک مذہب کے اندر بہت سی اصولی باتوں میں مشترکہ عقائد بھی ہوتے ہیں۔ جو اس مذہب کی طرف منسوب ہونے والے سب فرقوں کا مشترکہ اثاثہ سمجھے جاتے ہیں۔ مگر ان مشترکہ عقائد کے نیچے نیچے ہر فرقہ کے اپنے امتیازی نشانات اور مخصوص عقائد کا وجود بھی ضرور پایا جاتا ہے۔ جن کی وجہ سے ہر فرقہ دوسرے فرقوں سے ممتاز رہتا۔ اور الگ پہچانا جاتا ہے۔ حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی پھر اہلحدیث۔ اہل قرآن اور ایک جہت سے سب سے ممتاز اور جدا اہل تشیع پھر تصوف کے میدان میں قادری چشتی۔ سہروردی اور نقشبندی وغیرہ وغیرہ مسلمانوں میں بیسیوں بلکہ ایک حدیث کے مطابق بہتر تہتر فرقے ہیں۔ اور ہر فرقہ اپنے بعض مخصوص عقائد اور مخصوص نشانات رکھتا ہے۔ کوئی کم اور کوئی زیادہ مگر ان مخصوص عقائد اور مخصوص نشانات کے باوجود یہ سب اسلام کی ظاہری اور عرفی تعریف کے لحاظ سے مسلمان سمجھے جاتے ہیں۔ پس اگر ہم نے کسی جگہ کسی خاص گروہ کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے بعض مخصوص نشانات اور مخصوص چاردیواری پر زیادہ زور دیا۔ تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم نے مشترکہ عقائد میں بھی اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں سے کاٹ لیا ہے۔ یا انہیں اپنے آپ سے کاٹ کر جدا کر دیا ہے۔ مذہب کی حقیقت

بے شک دوسری چیز ہے۔ اور اس میں ہر شخص اور فرقہ کا اپنا اپنا نظریہ ہے۔ مگر اسلام کی ظاہری اور عُرفی تعریف بہرحال وہی رہے گی۔ جو ہمارے آقا خاتم النبیین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلمۂ طیبہ میں بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ اسی کتاب کلمۃ الفصل کا ایک اور حوالہ اُن لوگوں کی تسلی کا موجب ہونا چاہیئے۔ جو جماعت احمدیہ کے متعلق خود غرض لوگوں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں میں مبتلا رہ کر ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ اس حوالہ کے الفاظ یہ ہیں کہ:۔

"جہاں اسلام کی ایک حقیقی اور اصلی تعریف ہے وہاں اس کی ایک عُرفی اور رسمی تعریف بھی ہے جو یہ ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن شریف کی شریعت پر ایمان لانے کا مدعی ہو۔ پس جو شخص اس رسمی اور عُرفی تعریف کو پورا کر دیتا ہے وہ عُرفی اور رسمی رنگ میں مسلمان کہلائیگا"۔
(کلمۃ الفصل ایڈیشن ثانی مطبوعہ ۱۹۱۵ء صفحہ ۱۵۰)

یہ حوالہ ہر انصاف پسند شخص کے لئے جو تعصب سے آزاد ہو کر دیانتدارانہ رنگ میں غور کرنے کے لئے تیار ہے۔ ایک کلیدی حوالہ ہے۔ جس سے بہت سے دوسرے حوالہ جات کی الجھنیں دور ہو جاتی ہیں۔ اور محکم اور متشابہہ کا وجود تو قرآن مجید تک میں موجود ہے۔ جس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ تو پھر کسی دوسرے کے کلام میں یہ انداز بیان کیوں قابل اعتراض سمجھا جائے؟ بلکہ لطف یہ ہے کہ ہمارے موجودہ مخالف علماء میں سے بھی بعض لوگوں نے رسمی اور اسمی مسلمان اور صالح اور غیر صالح کی اصطلاح بنا رکھی ہے۔ فما لھم وقد برولا تکن من الممترین۔

اس جگہ میں ایک ضمنی اور علمی بات کی تشریح کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ جو کئی سادہ لوگوں کے لئے ٹھوکر کا موجب ہو جاتی ہے۔ اور چالاک اور بے اصول لوگ تو اس سے کئی قسم کے ناجائز فائدے اُٹھاتے اور عوام الناس کو دھوکا دینے کا ذریعہ بھی بنا لیتے ہیں۔ میری مراد حوالہ جات کے ناجائز تصرف کے طریق سے ہے۔ جس میں آجکل بدقسمتی سے علماء وصاحبان کا ایک طبقہ خوب مشاق نظر آتا ہے۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ کہ کسی حوالہ میں ناجائز تصرف صرف یہ ہوتا ہے کہ اپنی کسی خاص غرض کے ماتحت کسی حوالہ کی عبارت کو بدل کر یا الفاظ کو آگے پیچھے کر کے پیش کیا جائے۔ مگر ہمارے دوستوں کو اور خصوصاً علم کلام سے دلچسپی رکھنے والے دوستوں کو یاد رکھنا چاہیئے۔ اور یہ نکتہ انہیں انشاءاللہ کئی مواقع پر کام دے گا۔ کہ ناجائز تصرف صرف اس بات کا نام نہیں۔ کہ کوئی حوالہ الفاظ بدل کر پیش کیا جائے۔ بلکہ ناجائز تصرف عموماً تین قسم کا ہوتا ہے۔ اور ہمارے دوستوں کو ان سب تصرفات بیجا کی طرف سے ہمیشہ ہوشیار اور چوکس رہنا چاہیئے۔

(۱) پہلا اور عام قسم کا تصرف تو یہ ہوتا ہے کہ کسی حوالہ کے الفاظ کو بدل کر پیش کیا جائے یعنی یا تو اس کے الفاظ بدل دیئے جائیں۔ اور یا الفاظ کی ترتیب بدل کر غلط مطلب نکالنے کی کوشش کی جائے۔ ایسا تصرف عموماً صرف بے وقوف لوگ کرتے ہیں۔ جنہیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ ہم بہت جلد پکڑے جا کر ننگے کر دیئے جائیں گے۔ یا بعض بد دیانت مناظر خاص خاص موقعوں پر اپنے سامعین کو وقتی طور پر دھوکا دینے کی غرض سے یہ طریق اختیار کرتے ہیں۔ مگر ہوشیار لوگ عموماً اس بھدے طریق سے بچتے ہیں۔

(۲) دوسری قسم کا ناجائز تصرف یہ ہوتا ہے جس میں نسبتاً زیادہ چالاکی اور ہوشیاری پائی جاتی ہے کہ حوالہ کے الفاظ تو نہ بدلے جائیں مگر اُس کے سیاق سباق کو کاٹ کر پیش کیا جائے۔ یعنی اگلی پچھلی عبارت کو حذف کر کے اور صرف درمیانی حصہ یا ایک طرف کا حصہ پیش کر کے مطلب برآری سے کام لیا جائے۔ جیسا کہ ہمارے ملک میں لاتقربوا الصلوٰۃ والا لطیفہ مشہور ہے کہ کوئی شخص جو تارک نماز تھا۔ اس نے معترض ہونے پر جواب دیا۔ کہ قرآن مجید خود فرماتا ہے کہ "نماز کے قریب نہ جاؤ" اور آیت کے اگلے حصہ کو کھا گیا۔ کہ وانتم سکاریٰ یعنی ایسے وقت میں نماز نہ پڑھو کہ جب نیند یا بھوک یا حوائج انسانی وغیرہ کی وجہ سے تمہاری توجہ میں غیر معمولی انتشار ہو۔ اور تم نماز میں توجہ نہ جما سکو۔ بلکہ اس قسم کی اشد اور فوری ضروریات سے فارغ ہو کر یا ان پر غلبہ پا کر نماز پڑھو تا کہ نماز کی اصل غرض حاصل ہو۔ الغرض دوسری قسم کا ناجائز تصرف یہ ہے کہ کسی حوالہ کو اس کے سیاق سباق اور آگے پیچھے کی عبارت سے کاٹ کر اپنا کوئی خاص مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

(۳) تیسری قسم کا ناجائز تصرف اپنے اندر اس سے بھی زیادہ چالاکی اور دھوکا دہی کا پہلو رکھتا ہے اور وہ یہ کہ کسی حوالہ کے پیش کرنے میں تو الفاظ میں رد و بدل کیا جائے اور نہ ہی انہیں سیاق وسباق سے کاٹا جائے مگر جس خاص ماحول میں کوئی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں یا جس خاص فریق کو مخاطب کر کے کہے گئے ہیں۔ انہیں اوجھل اور پس پردہ رکھ کر اور الفاظ کو عام رنگ دے کر پیش کر دیا جائے۔ اس قسم کے ناجائز تصرف کی موٹی مثال یوں سمجھی جا سکتی ہے کہ ایک شخص میرے مکان پر آ کر مجھے مسلسل گالیاں دیتا اور افترا پردازی کرتا اور اشتعال انگیزی سے کام لیتا اور بہت خلاف طرح طرح کے گند اچھالتا ہے اور میں اس کے ظلم پر ایک لمبے عرصہ تک صبر سے کام لیتا ہوں۔ لیکن آخر لمبے صبر کے بعد اسے ہوش میں لانے کی غرض سے اور جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا کے اصول کے ماتحت میں کہتا ہوں کہ فلاں شخص خبیث اور مفتری ہے"۔ اب اگر کوئی شخص صرف میرے یہ الفاظ تو نقل کر دیتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کے متعلق خبیث کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مگر اس کی گالیوں اور افترا پردازیوں کے لمبے سلسلہ کو چھپا جاتا ہے اور اس کے ظلم پر پردہ ڈال کر اور اس کی افترا پردازی کو اوجھل رکھ کر میرے مظلوم ہونے کے باوجود میرے جوابی فقرہ کی وجہ سے مجھے ظالم ثابت کرنا چاہتا ہے۔ تو یہ شخص ایک خطرناک اور انتہا درجہ کے ناجائز تصرف کا مرتکب سمجھا جائیگا اسی طرح اگر میں نے کوئی بات ایک خاص ظالم اور بدظن اور بادی طبقہ کے متعلق کہی ہے۔ لیکن میرا کوئی مخالف اس کے پس منظر کو چھپا کر اسے عام رنگ میں پیش کرتا ہے کہ گویا میں نے یہ الفاظ کسی قوم کے سارے افراد کے متعلق استعمال کئے ہیں۔ تو ایسا شخص بھی ایک ایسے ناجائز تصرف کا مرتکب ہوتا ہے۔ جس کے لئے اُسے یقیناً خدا کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ اور ہر دیانتدار انصاف پسند انسان کی آواز اس کے خلاف اُٹھنی چاہیئے۔

یہ وہ تین قسم کے ناجائز تصرفات ہیں جو بے اصول لوگوں کی طرف سے ہمارے خلاف بکثرت اختیار کئے جاتے ہیں۔ اور ہر وہ شخص جسے دیانتداری کا احساس نہیں۔ اپنی اپنی فطرت اور اپنے اپنے خیال کے مطابق ان ناجائز تصرفات کے میدان میں داخل ہو کر یہ ناپاک ہولی کھیل رہا ہے بلکہ متشابہہ کلام کو لے کر اور محکم کو چھوڑ کر خاص ماحول کو پس پردہ رکھ کر یا پھر اس خاص طبقہ کے ذکر کو چھپا کر جس کے متعلق کوئی الفاظ کہے گئے ہیں اور انہیں عام رنگ دے کر گویا کہ وہ سب کے لئے کہے گئے ہیں ہمارے خلاف ہر طرح کا گند اچھالا جا رہا ہے۔ اور کوئی انصاف پسند شخص (ردّ الشاذ کالمعدوم) آگے آ کر اس کلمۂ حق کے کہنے کی جرأت نہیں کرتا۔ کہ بے شک دنیا دھوکا کھا سکتی ہے۔ مگر خدا تو تمہارے سر پر موجود ہے۔ اس سے ڈرو کہ ایک دن اس کے سامنے پیش کئے جاؤ گے۔

ہمارے سلسلہ کے بانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بار بار اور نہایت زوردار الفاظ میں اپنے مخالفوں کو مخاطب ہو کر کہا۔ کہ میں نے ہرگز ایسی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ جو تمہارے ذہنوں میں ہے جس سے انسان مستقل حیثیت میں نبوت کا منصب پاتا ہے یا کوئی نئی شریعت لاتا ہے۔ بلکہ میں تو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خادم اور قرآنی شریعت پر قائم ہوں اور میں نے جو کچھ پایا ہے۔ اپنے آقا سرور کائنات فخر موجودات کی شاگردی اور غلامی میں پایا ہے۔ اور نبوت سے میری مراد صرف کثرت مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ اور اظہار علی الغیب ہے۔ جس سے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض سے مشرف کیا گیا ہوں اور قرآنی شریعت کا جوا میری گردن پر ہے۔ مگر پھر بھی خود غرض لوگ اپنے اپنے سیاسی اور اقتصادی مقاصد کے ماتحت یہ کہتے چلے جاتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب نے نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو منسوخ کر دیا ہے۔ اور ایک نئے مذہب اور نئے کلمہ کی بنیاد رکھی ہے۔ کیا یہ ظلم اور یہ افترا رخالی جائے گا۔ اور کیا آسمان پر کوئی ہستی ان ظلموں کو دیکھنے والی موجود نہیں؟

مگر باوجود اس کے ہم بارہا کہہ چکے ہیں۔ اور ہم نے ہر موقعہ پر اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ ہم دوسرے مسلمانوں کے دلی خیر خواہ ہیں۔ اور ان کے ایک طبقہ کا ظلم ہمیں اس حقیقت کی طرف سے غافل نہیں کر سکتا۔ کہ خواہ کچھ ہو۔ دوسرے مسلمان بھی آخر اُسی رسول صلعم کے نام لیوا اور اسی شریعت کے تابع ہیں۔ جس کا جوا ہماری گردنوں پر ہے۔ ہمارا آسمانی آقا ہمیں انشاءاللہ ان مظالم کے طوفان میں بھی صابر اور شاکر پائے گا اور ہم خدا کی توفیق سے اپنے سلسلہ کے مقدس بانی علیہ السلام کے اس ارشاد کو فراموش نہیں کریں گے جو آپ نے اپنے شدید ترین مخالفین کے متعلق فرمایا کہ:۔

"اے دل تو نیز خاطر ایناں نگاہ دار
آخر کنند دعوئے حب پیمبرم"

یعنی اے میرے زخم خوردہ دل تو ان مخالفوں کے ظلم اور ایذا رسانی کے باوجود ان کا لحاظ رکھ۔ کیونکہ خواہ کچھ ہو۔ وہ میرے رسول صلعم کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں"۔

اس لطیف شعر میں "میرے رسول صلعم" کے الفاظ ملاحظہ ہوں کہ کس بے پناہ محبت کے حامل ہیں؟ بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہوں گا۔ کیونکہ اس وقت جسم کمزوری محسوس کر رہا ہے۔ اور روح جذبات سے چھلک رہی ہے۔ اور یہ دونوں باتیں طوالت کی مانع ہیں۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

خاکسار
اسلام اور احمدیت کا ایک ادنیٰ خادم
مرزا بشیر احمد ربوہ ۲۹/۸/۵۳
(الفضل مورخہ ۳ ستمبر ۱۹۵۳ء)

ختم نبوت اور جماعت احمدیہ

از مکرم ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن مجید میں خاتم النبیین کہا گیا ہے۔ غیر احمدی کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور نے سلسلہ نبوت بند کر دیا ہے۔ یعنی سلسلہ وحی قطعی بند ہو چکا جبرئیل کا نزول نہ ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ مکمل ہو چکی۔ وہ قطعاً اس امر پر غور نہیں کرتے کہ سلسلہ موسویہ کے لئے شرع موسےٰ ابھی مکمل تھی۔ باوجود اس کے بنی اسرائیل میں انبیاء بالتواتر کیوں آتے رہے۔ معلوم ہوا ہے کہ انبیاء کا کام صرف شریعت لانا نہیں۔ شریعت پر عمل پیدا کرنا۔ حکمت سکھلانا۔ تزکیہ کرنا بھی ان کا فرض منصبی ہے اور انہی امور کی سر انجام دہی کے لئے غیر شرعی نبی آتے تھے۔

جب ہم ذکر کرتے ہیں کہ پھر آپ کے نزدیک حضرت عیسےٰ ع اب کیوں آسمان سے نازل ہوں گے تو غیر احمدی جھٹ کہہ دیتے ہیں کہ وہ بوقت نزول نبی نہ ہوں گے۔ چنانچہ اس بارہ میں حجج الکرامہ میں مرقوم ہے:۔

"ومن قال بسلب نبوته كفر حقًا كما صرح به السيوطى فانه النبى لا يذهب عنه وصف النبوة فى حياته ولا بعد موته وقد صرح السبكى ان عيسىٰ يحكم بشريعة نبينا بالقرآن والسنة ۔۔۔ عیسےٰ را بعد نزول وحی الٰہی آید چنانکہ در حدیث نواس بن سمعان نزد مسلم وغیرہ آمدہ يقتل عيسىٰ الدجال عند باب لد الشرقى نبينا هم كذالك اذا اوحى الله تعالىٰ الىٰ عيسىٰ بن مريم انى قد اخرجت عبادًا من عبادى لا يدان لك بقتالهم فحرز عبادى الى الطور الحديث۔ وظاہر آنست کہ آرندۂ وحی بسوئے او جبریل علیہ السلام باشد بلکہ بہمیں یقین داریم و دراں تردد نمے کنیم چہ جبریل سفیر خدا است درمیان انبیاء علیہم السلام و فرشتۂ دیگر برائے ایں کار معروف نیست۔ ابوحاتم در تفسیر خود آوردہ انہ وکل جبریل بالکتب وبالوحی الی الانبیاء۔ وآنکہ بر السنہ عامہ مشہور شدہ کہ نزول جبریل بسوئے ارض بعد موت رسول خدا صلعم نشود بے اصل محض است و در چند حدیث نزول او بر زمین آمدہ" (صفحہ ۴۳۱)

(ترجمہ) اور جس نے یہ کہا کہ حضرت عیسےٰ ع کی نبوت چھین لی جائے گی۔ وہ پکا کافر ہے جیسا کہ امام سیوطی رح نے صراحت سے بیان کیا ہے۔ کیونکہ نبی کے بعد جدا ہوتی ہے۔ اور سبکی نے صراحت سے بیان کیا کہ حضرت عیسےٰ ع ہمارے نبی کریم صلعم کی شریعت یعنی قرآن وسنت کے ذریعہ فیصلہ کیا کریں گے۔ اور بعد نزول حضرت عیسےٰ ع پر وحی اترے گی جیسا کہ صحیح مسلم میں نواس بن سمعان کی حدیث میں مذکور ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ ع لُد کے مشرقی دروازہ پر دجال کو قتل کریں گے۔ اس اثناء میں اللہ تعالےٰ حضرت عیسےٰ بن مریم کی طرف وحی کرے گا کہ میں نے اپنے بندوں میں ایسے بندے پیدا کئے ہیں کہ آپ کو ان کے ساتھ لڑائی کی طاقت نہیں پس میرے بندوں کو طور کی طرف لے جا الخ اور یہ ظاہر ہے (باقی صفحہ ۹ کالم ۲)

آہ! ممانی جان رضی اللہ تعالےٰ عنہا

مکرم ومحترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ نے آج مورخہ ۸/۹/۵۲ کو بعد نماز عصر اپنے درس الحدیث کے روزانہ پروگرام کی بجائے اذکروا موتاکم بالخیر کے موضوع پر تقریر فرماتے ہوئے سب سے پہلے مکرم مولوی عبد الرحمٰن صاحب فاضل امیر مقامی و ناظر اعلیٰ قادیان کے ہاں فوت شدہ بچہ پیدا ہونے پر افسوس کا اظہار فرمایا (بعد کی اطلاع سے معلوم ہوا ہے کہ مولوی صاحب موصوف کی اہلیہ صاحبہ اس صدمہ سے وفات پا گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون: ایڈیٹر) بعد ازاں آپ نے نہایت رقت بھرے الفاظ میں حضرت ممانی جان (بیگم صاحبہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب مرحوم رضہ) کی فوتیدگی کے متعلق میر داؤد احمد صاحب کی طرف سے تازہ موصولہ تار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ دوستوں کو دعائیہ اعلانات سے علم ہو چکا تھا کہ ہماری ممانی جان ایک عرصہ سے انتڑیوں کی تکلیف سے بیمار چلی آ رہی تھیں۔ اور کچھ دنوں سے لاہور میں زیر علاج تھیں۔ وفات پا گئی ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فرمایا۔ ممانی جان رضہ کی وفات کی افسوسناک خبر سے حضرت ماموں جان میر محمد اسحٰق صاحب مرحوم رضہ کی وفات اور جدائی کا غم پھر سے تازہ ہو گیا ہے۔ بیشک اللہ تعالےٰ ہی سب کا نگہبان ہے۔ مگر ماموں جان مرحوم رضہ کی وفات کے بعد ان کی اولاد کی نگرانی اور تربیت وغیرہ کا بوجھ کلی طور پر ممانی جان رضہ کے کندھوں پر آ پڑا تھا۔ اب ان کی وفات کے بعد ان بچوں کا شفیق سہارا بھی ختم ہو گیا۔ ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کی ابھی شادیاں ہونے والی ہیں۔ ابھی وہ برسر روزگار بھی نہیں۔ اس سے آپ ان کی مشکلات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ممانی جان رضہ کے حسب ونسب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ مرحومہ رضہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بلند پایہ صحابی حضرت منشی احمد جان صاحب کی پوتی اور حضرت پیر منظور محمد صاحب مرحوم رضہ کی صاحبزادی تھیں۔ پیر صاحب مرحوم رضہ کی شخصیت جماعت کے کسی دوست سے پوشیدہ نہیں۔ آپ بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی تھے۔ اعلےٰ پایہ کے متقی۔ پرہیزگار اور خدا رسیدہ انسان تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک الہام ہوا۔ کہ منظور محمد کے ہاں ایک خاص لڑکا پیدا ہوگا۔ جس سے خدا ہمکلام ہوگا وغیرہ۔ حضور نے اس الہام کو ظاہری الفاظ پر محمول کرتے ہوئے اسے یہ سمجھا کہ پیر منظور محمد کے ہاں مندرجہ الہام والی صفات کا لڑکا پیدا ہوگا گو اس الہام سے مراد خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنا وجود تھا۔ مگر اس سے پیر صاحب کے اعلےٰ روحانی مدارج کا بخوبی علم ہو سکتا ہے۔ نیز فرمایا کہ ممانی جان رضہ کے دادا حضرت منشی احمد جان صاحب مرحوم رضہ کے حضور ع کے ساتھ دعویٰ سے قبل ہی مخلصانہ اور عقیدتمندانہ تعلقات تھے۔ اللہ تعالےٰ نے قبل از وقت ہی ان پر ظاہر فرمایا تھا کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب ہی اس زمانہ کے مصلح اور مسیح موعود ہوں گے۔ چنانچہ یہ شعر آپ ہی کا ہے

ہم غریبوں کی ہے تمہیں پہ نظر ۔ تم مسیحا بنو خدا کے لئے

حضرت ممانی جان رضہ کے دینی علم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ ہمارے خاندان میں جو چند عمر رسیدہ بزرگ ہستیاں جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ دیکھا ہے ان میں سے ایک آپ بھی تھیں میرے نزدیک جماعت کی مستورات میں سے آپ کو سب سے زیادہ دینی علوم پر عبور حاصل تھا۔ عربی اچھی طرح بول اور پڑھ لیتی تھیں سلسلہ کی کتب اور مسائل سے خوب واقف تھیں۔ میں نے خود بخاری شریف کا کچھ حصہ سبقاً ان سے پڑھا ہے۔

آپ کی دیگر خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ آپ حضرت ماموں جان مرحوم رضہ کی طرح سلسلہ کا درد رکھنے والی۔ غریبوں اور بیواؤں کا خیال رکھنے والی۔ حاجتمندوں کی غمگسار تھیں۔ جلسہ سالانہ کے ایام میں مستورات کا تمام انتظام آپ کی نگرانی میں ہوتا تھا۔ اور آخری عمر تک یہ کام آپ کے سپرد رہا۔ جس خوش اسلوبی سے یہ کام آپ سر انجام دیتی تھیں۔ اس سے سب واقف ہیں۔

آخر میں آپ نے فرمایا۔ کہ اس افسوسناک خبر کو سن کر ہمارے دل غم کے آنسو رو رہے ہیں مگر "راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہو" کے فرمان پر کاربند ہوتے ہوئے اپنے دلوں کو ڈھارس دے رہے ہیں ان بزرگ ہستیوں کے اس جہاں سے گزر جانے پر ہمیں غور کرنا چاہیئے۔ کہ کیا جماعت کی نئی پود ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہی ہے اگر کر رہی ہے تو انہیں کسی حد تک کامیاب ہوتی ہے۔ اگر نہیں تو اسے اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہیئے۔ زندہ قوموں کی یہ نشانی ہوتی ہے کہ ان کے کسی فرد کی وفات سے جو خلا پیدا ہوتا ہے اسے پُر کرنے والے دوسرے موجود ہوتے ہیں۔ اور اس طرح جماعتی کام کو نقصان نہیں پہنچتا۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اپنے بزرگان کے قائمقام بن سکیں اور ان کے ناموں کو روشن کرنے والے ہوں۔

نیز فرمایا۔ ممانی جان رضہ کی وفات کیساتھ ہمارا دعاؤں کا سلسلہ منقطع نہیں ہو گیا اب ہمیں ان کے درجات کی بلندی کیلئے دعا کرنی چاہیئے۔ اور خاص طور پر ان کی اولاد کیلئے دعائیں کرنی چاہئیں۔ کہ اللہ تعالےٰ ان کا حافظ و ناصر ہو۔ انہیں اپنی خاص حفاظت میں رکھے اور ان کا ہر لمحہ نگہبان ہو۔ آمین۔ (محمود احمد عارف واقف زندگی قادیان)

ادارہ بدر کی طرف سے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دیگر جملہ افراد کی خدمت میں دلی تعزیت
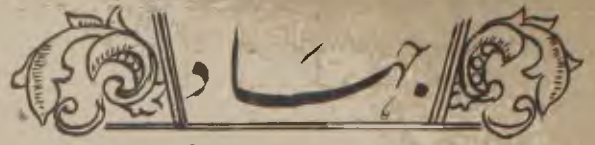
از جناب سید سلیمان صاحب ندوی

(۳)

جسمانی جہاد یعنی لڑائی کی ضرورت ہر وقت نہیں پیش آتی ہے۔ لیکن مالی جہاد کی ضرورت ہر وقت اور ہر آن ہوتی ہے۔

انسانی کمزوری یہ ہے کہ مال کی محبت اُس کی جان کی محبت پر اکثر غالب آجاتی ہے۔

گر جان طلبی مضائقہ نیست
گر زر طلبی سخن دریں است

اس لئے مال و جان کو مقدم رکھ کر ہر قدم پر انسان کو اس کی اس کمزوری پر ہوشیار کیا گیا ہے۔

۴۔ جہاد کے ان اقسام کے علاوہ ہر نیک کام اور ہر فرض کی ادا میں اپنی جان و مال و دماغ کی قوت صرف کرنے کا نام بھی اسلام میں جہاد ہے۔ عورتیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ! ہم کو غزوات کے جہاد میں شرکت کی اجازت دی جائے۔ ارشاد ہوا کہ تمہارا جہاد نیک حج ہے۔ کہ اس مقدس سفر کے لئے سفر کی تمام صعوبتوں کو برداشت کرنا صنفِ نازک کا ایک جہاد ہی ہے۔ اسی طرح ایک صحابی یمن سے چل کر خدمتِ اقدس میں اس غرض سے حاضر ہوتے ہیں کہ کسی لڑائی کے جہاد میں شرکت کریں۔ آپ نے اُن سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے ماں باپ ہیں۔ عرض کی جی ہاں۔ فرمایا "ففیھما فجاھد"۔ تو تم اُن ہی کی خدمت میں جہاد کرو یعنی ماں باپ کی خدمت کرنا بھی جہاد ہے۔ اسی طرح خطرناک سے خطرناک موقع پر حق کے اظہار میں بے باک ہونا بھی جہاد ہے آپؐ نے فرمایا:۔

ان من اعظم الجہاد کلمۃ
عدلٍ عند سلطانٍ جائر
(ترمذی ابواب الفتن)

ایک بڑا جہاد کسی ظالم قوت کے سامنے انصاف کی بات کہہ دینا ہے۔

۵۔ اس سے ظاہر ہوا کہ جہاد بالنفس یعنی اپنے جسم و جان سے جہاد کرنا جہاد کے اُن تمام اقسام کو شامل ہے جن میں انسان کی کوئی جسمانی محنت صرف ہو، اور اس کی آخری حد خطرات سے بے پروا ہو کر اپنی زندگی کو بھی خدا کی راہ میں نثار کر دینا ہے۔ نیز دین کے دشمنوں سے اگر مقابلہ آپڑے اور وہ حق کی مخالفت پر تُل جائیں تو اُن کو راستہ سے ہٹانا۔ اور اس صورت میں اُن کی جان لینا یا اپنی جان دینا جہاد بالنفس کا انتہائی جذبۂ کمال ہے۔ ایسے جان نثار اور فدا کار زندہ سے کانتی۔ یہ ہے کہ اس نے اپنی جس عزیز ترین متاع کو خدا کی راہ میں قربان کیا، وہ ہمیشہ کے لئے اس کو بخش دی جائے، یعنی فانی حیات کے بدلہ اس کو ابدی حیات عطا کر دی جائے۔ اسی لئے ارشاد ہوا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (بقرہ۔۱۹)

جو خدا کی راہ میں مارے گئے، اُن کو مردہ نہ کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن تم کو اس کا احساس نہیں،

آلِ عمران میں ان جان بازوں کی قدر افزائی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (آلِ عمران۔۱۷)

جو خدا کی راہ میں مارے گئے اُن کو مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے پروردگار کے پاس اُن کو روزی دی جارہی ہے۔ خدا نے اُن کو اپنی مہربانی عطا کی ہے۔ اس پر وہ خوش ہیں، اور جو آج تک اُن سے اس زندگی میں ہونے کی وجہ سے نہیں ملے ہیں اُن کو خوشخبری دیتے ہیں کہ اُن کو نہ کوئی خوف ہے نہ وہ غم میں ہیں۔

ان جان نثاروں کا نام شریعت کی اصطلاح میں شہید ہے۔ یہ عشق و محبت کی راہ کے شہید زندہ جاوید ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

یہ اپنے اسی خونی گلگوں پیراہن میں قیامت کے دن اُٹھیں گے اور حق کی جو عملی شہادت اس زندگی میں انہوں نے ادا کی تھی۔ اس کا صلہ اس زندگی میں پائیں گے۔ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ (آلِ عمران ع ۱۴)

اسی کے ساتھ وہ جانباز بھی جو کو اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں اترے تھے۔ لیکن اُن کے سر ہدیہ دربارِ الٰہی میں اس وقت اس لئے قبول نہ ہوا۔ کہ ابھی ان کی دنیاوی زندگی کا کارخانہ ختم نہیں ہوا تھا۔ وہ بھی اپنے حسنِ نیت کے بدولت رضائے الٰہی کی سند پائیں گے، اسی لئے ان کو عام مسلمان ادب و تعظیم کے لئے غازی کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (نساء۔۱۰)

اور جو خدا کی راہ میں لڑتا ہے پھر وہ یا مارا جاتا ہے یا وہ غالب آتا ہے تو ہم اس کو بڑا اجر عنایت کریں گے۔

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ

(آلِ عمران۔۲۰)

تو جنہوں نے میری خاطر گھر بار چھوڑا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور اُن کو میری راہ میں تکلیفیں دی گئیں اور لڑے اور مارے گئے، ہم اُن کے گناہوں کو چھپا دیں گے۔ اور اُن کو جنت میں داخل کریں گے۔ جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ خدا کی طرف سے اُن کو یہ بدلہ ملے گا اور خدا کے پاس اچھا بدلہ ہے۔

ان آیات کی تفسیر و تشریح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ احادیث میں مذکور ہے۔ جن میں شہیدوں کی فضیلتیں اور اُن کی اُخروی نعمتوں کی تفصیل نہایت مؤثر الفاظ میں ہے۔ اسی شہادت اور غزا کے عقیدے نے مسلمانوں میں مشکلات کے مقابلہ اور دشمنوں سے بے خوفی کی وہ روح پیدا کر دی جس کی زندگی اور نازگی کا سارا سے تیرہ سو برس کے بعد بھی وہی عالم ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو مسلمانوں کو دین کی خاطر جان دینے پر اس قدر جلد آمادہ کر دیتا ہے۔ اور اس حیاتِ جاوید کی تلاش میں ہر مسلمان بے تاب نظر آتا ہے۔ یہ وہ رتبہ ہے جس کی تمنا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر کی اور فرمایا کہ "مجھے آرزو ہے کہ میں خدا کی راہ میں مارا جاؤں اور دوبارہ مجھے زندگی ملے اور میں اُس کو بھی قربان کر دوں۔ اور پھر تیسری زندگی ملے اور اس کو بھی میں خدا کی راہ میں نثار کر دوں۔ ذرا ان فقروں پر ایک بار اور نگاہ ڈال لیجئے۔ ان میں یہ نہیں ہے کہ میں دوسرے کو مار ڈالوں بلکہ یہ ہے کہ حق کے راستہ میں میں مارا جاؤں۔ اور پھر زندگی ملے، پھر مارا جاؤں پھر زندگی ملے اور پھر مارا جاؤں۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

دائمی جہاد

یہ تو وہ جہاد ہے جس کا موقع ہر مسلمان کو پیش نہیں آتا اور جس کو آتا بھی ہے تو عمر میں ایک آدھ ہی دفعہ آتا ہے۔ مگر حق کی راہ میں دائمی جہاد وہ جہاد ہے جو ہر مسلمان کو ہر وقت پیش آسکتا ہے۔ اس لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر امتی پر یہ فرض ہے کہ دین کی حمایت، علم دین کی اشاعت، حق کی نصرت، غریبوں کی مدد، زیردستوں کی امداد، سیہ کاروں کی ہدایت، امر بالمعروف نہی عن المنکر، اقامتِ عدل، ردِ ظلم، اور احکامِ الٰہی کی تعمیل میں ہمہ تن اور ہر وقت لگا رہے۔ یہاں تک کہ اس کی زندگی کی ہر جنبش و سکون، ایک جہاد بن جائے، اور اس کی پوری زندگی جہاد کا ایک غیر منقطع سلسلہ نظر آئے، سورۂ آلِ عمران کی جس میں جہاد کے مسلسل احکام ہیں آخری آیت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ (آلِ عمران۔۲۰)

اے ایمان والو! مشکلات میں ثابت قدم رہو اور مقابلہ مضبوطی دکھاؤ اور کام میں لگے رہو۔ اور خدا سے ڈرو، شاید کہ تم مراد کو پہنچو۔

یہی وہ جہاد محمدیؐ ہے جو مسلمانوں کی کامیابی کی کنجی اور فتح فیروزی کا نشان ہے۔

مسلمان بادشاہوں کے غیر مسلم امراء

از مکرم خورشید احمد صاحب متعلم جامعۃ المبشرین قادیان

(۳)

دھیراج راجہ جے سنگھ سوائی

ان کا اصلی نام جے سنگھ تھا۔ راؤ بشن سنگھ کچھواہا کے بیٹے مرزا۔ راجہ جے سنگھ کے پڑپوتے تھے۔ باپ کی وفات سنہ ۱۱۱۱ھ کے وقت منصب یک ہزاری ذات ہشت صد سوار سے سرفراز ہوئے۔ پھر شہنشاہ عالمگیر نے منصب ہزار و پانصدی ہزار سوار سے ممتاز کر کے خطاب "راجہ جے سنگھ" عطا فرمایا۔ شہنشاہ کا عطا فرمودہ خطاب ایسا چمکا کہ نام سے بھی زیادہ مشہور ہو گیا۔ شہنشاہ کی وفات تک منصب دو ہزار ذات۔ دو ہزار سوار پر ترقی پا چکے تھے۔

شہنشاہ فرخ سیر بادشاہ کے عہد سلطنت میں راجہ جے سنگھ کو دھیراج کا خطاب ملا۔ فرخ سیر کے عہد سے لے کر محمد شاہ بادشاہ کے عہد تک سید حسین علیخاں و سید عبداللہ خاں "بادشاہ گر" دونوں بھائیوں کا وزارت کی آڑ میں سلطنت پر سکہ تھا۔ ان کی راجہ جے سنگھ سے ہمیشہ سے کھٹ پٹ رہتی تھی۔ مگر راجہ جی کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے۔ آخر محمد شاہ نے سنہ ۱۱۳۵ھ میں راجہ جی کو بلا کر بہت اعزاز و احترام کیا۔ اور مالوہ کی صوبہ داری عطا فرمائی۔ راجہ جی کو علم و فنون کا بہت شوق تھا۔ اور علمی قدر دانی کا ازحد اشتیاق تھا۔ اٹھارھویں صدی کی طوائف الملوکی میں آپ نے علم کی قدر دانی کی۔ برج بھاشا کو دعلی و نواح میں پھیلایا۔ ایک ایک دوہے پر ایک روپیہ سے لے کر ایک ایک لاکھ تک انعام دیا۔ مرزا خیراللہ بیگ کے ذریعے جو علوم ریاضی میں بے نظیر عالم تھے۔ بیس بیس لاکھ روپیہ کے صرف سے اجرام فلکی کے مشاہدے کے لئے رصدگاہیں بنوائیں۔ ان کا نام زیچ محمد شاہی رکھا۔ کیونکہ دورہ زحل کے لئے تیس برس کی ضرورت تھی لیکن راجہ جی کا اس مدت کے اختتام سے پہلے انتقال ہو گیا۔ لہذا یہ علمی کام ناتمام رہ گیا۔

اپنی ابتدائی جاگیر آنبیر سے چار کوس پر ایک خوبصورت شہر بسایا جس کا نام اپنے نام کی مناسبت سے جے پور رکھا۔ جو آج بھی بھارت کے قابل دید شہروں میں شمار ہوتا ہے۔

رائے رایاں۔ دیانت رائے گجراتی

یہ قوم کے ناگر برہمن گجرات کے باشندہ تھے۔ تحریر و تقریر۔ حساب و کتاب۔ ہیئت و ستارہ میں عمدہ قابلیت رکھتے تھے۔ ہندی بھاشا اور تاریخ میں بے نظیر تھے۔

معمولی منصبوں سے ترقی کرتے کرتے سنہ ۱۰۴۷ھ میں شہنشاہ شاہجہان کے عہد میں دیوانی خالصہ شریفہ یعنی نائب دوئم وزیر اعظم کے عہدے پر جا پہنچے۔ سنہ ۱۰۴۸ھ میں خطاب رائے رایاں عطا ہوا۔ اور وزیر اعظم کے تقرر تک قائم مقام وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۰۵۲ھ میں شہنشاہ سے اجازت لے کر گنگا جی کے کنارے ایشور پرارتھنا میں محو ہوئے۔ مگر تھوڑے ہی دنوں بعد بنارس سے پھر شاہ کے حضور حاضر ہوئے۔ اور سابقہ عہدے سے نوازے گئے۔ صوبہ دکن کی "کل دیوانی" اور صوبہ بگلانہ کی فوجداری سپرد ہوئی۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ علامی افضل خاں کے عہد میں کل وزارت کا کام انہیں کے سپرد تھا۔ کسی کو رکھنا، برخواست کرنا انہیں کی مرضی پر منحصر تھا۔

جو کوئی بھی علامی صاحب سے کوئی بات پوچھتا تو ہمیشہ یہی جواب ملتا کہ دیانت راؤ سے کہو۔ دیانت رائے سے پوچھو۔ علامی موصوف کی وفات پر ایک ظریف نے اُن کا مرثیہ کہا۔ کہ جب علامی صاحب کے پاس منکر نکیر سوال و جواب کے لئے آئے تو علامی صاحب نے ہر سوال کے جواب میں یہی کہا "دیانت راؤ سے کہو۔ دیانت رائے سے پوچھو"

راجہ رام چند بگھیلہ

ملک پٹہ کا راجہ تھا۔ بابر بادشاہ نے تزک بابری میں ہندوستان کے جن تین عظیم الشان راجگان کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے تیسرا یہی راجہ رام چند تھا۔ سنہ ۱۰۰۹ھ میں راجہ جی نے مع اپنے بیٹے بیر بھدر جی کے شہنشاہ اکبر کے دربار میں حاضر ہو کر بھاری نذر پیش کی۔ شاہ نے امراء خاص کے زمرہ داخل فرمایا۔ اور ایک سو ایک عمدہ نسل کے گھوڑے دے کر رخصت کیا۔ راجہ جی کے مرنے پر شاہ نے بیر بھدر کو جو شاہی ملازمت میں تھا۔ خطاب راجہ بخشا۔ سنہ ۱۰۱۵ھ میں شاہ نے راجہ جی کے پوتے دریودھن کو راجہ کا خطاب دے کر منصب حکومت کی سرفرازی کی۔ دریودھن چونکہ نابالغ تھا۔ اس لئے بھارتی چند کو اتالیق مقرر کیا۔ اس کے بعد امر سنگھ راجہ جی کا پوتا اور اس کے بعد انوپ سنگھ پر پوتا جانشین مقرر ہوئے۔ شہنشاہ شاہجہان نے انوپ سنگھ کو منصب سہ ہزاری۔ دو ہزار سوار سے نوازا تھا۔

راجہ جے سنگھ راٹھور

راؤ امر سنگھ کا بیٹا راجہ گج سنگھ کا پوتا تھا۔ باپ کی وفات کے پانچ ماہ بعد دربار شاہجہانی میں حاضر ہوا۔ شاہ نے منصب ہزاری ہفت صد سوار پر سرفراز کیا۔ اپنی حسن خدمات کے باعث ترقی کرتے کرتے شہنشاہ عالمگیر کے ابتدائی ایام حکومت میں منصب چار ہزاری چار ہزار سوار سے ممتاز ہوا۔ شہنشاہ نے سموگڈھ کی لڑائی کے بعد ایک لاکھ روپیہ نقد اور "راجہ" کا خطاب عطا فرمایا۔ خلعت اسپ۔ فیل۔ شمشیر مرصع اور نقارہ عطا کر کے تبید راٹھور کی سرداری عنایت فرمائی۔ اورنگ آباد کے اطراف کا بسایا ہوا موضع راؤ رائے پورہ یادگار تھا۔ راجہ جی کے بیٹے اندر سنگھ کو شہنشاہ عالمگیر کے عہد میں منصب پانچ ہزاری سے نوازا گیا تھا۔

راجہ رائے سنگھ سیسودیہ

مہاراجہ بھیم سنگھ کا بیٹا اور رانا امر سنگھ کا پوتا تھا۔ شہنشاہ شاہجہان کے آغاز عہد سلطنت دربار میں حاضر ہوا۔ شاہ نے اس کے باپ کی خدمات کو یاد کر کے بیس ہزار روپیہ نقد خلعت فاخرہ اور سرپیچ۔ جمدھر مرصع۔ منصب دو ہزاری۔ ہزار سوار عطا فرمائے۔ اس بچپن کی عمر میں ہی "راجہ" کے خطاب بھی عنایت فرمایا۔ حسن کارگزاری کے باعث ترقی کرتے کرتے مہم بیجاپور تک منصب چہار ہزاری دو ہزار سوار تک پہنچ چکا تھا۔ بیجاپور میں شجاعت و بہادری دکھانے کی وجہ سے ایک لاکھ روپیہ نقد عطا ہوا۔ منصب پنجہزاری۔ چہار ہزار سوار سے سرفراز ہوا۔ خلعت۔ شمشیر مرصع۔ عربی گھوڑا زرین زین۔ ہاتھی۔ ہتھنی عنایت ہوئے۔ شہنشاہ عالمگیر کے عہد میں بھی منصب پانچ ہزاری۔ پانچ ہزار سوار۔ دو اسپہ سہ اسپہ سے مفتخر ہوا۔

راجہ راج روپ

یہ راجہ جگت سنگھ کے بیٹے راجہ باسو کے پوتے تھے۔ شہنشاہ شاہجہان کی بادشاہت کے بارھویں سال ملازمت شاہی میں داخل ہوئے۔ باپ کے مرنے کے بعد منصب ہزار پانصدی ذات۔ ہزار سوار سے سرفراز ہوئے۔ راجہ کا خطاب عطا ہوا۔ پرگنہ جموں کے خاندانی حکومت سے ممتاز کئے گئے۔ سنہ ۱۰۶۹ھ تک یعنی سموگڈھ کی جنگ تک بتدریج ترقی کرتے کرتے منصب سہ ہزاری ذات۔ سہ ہزار سوار تک پہنچے۔

شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد حکومت کے ابتدائی ایام میں منصب سہ ہزار و پانصدی سہ ہزار و پانصد سوار پر سرفراز ہوئے۔ شہنشاہ کی طرف سے کئی مہموں میں نمایاں حصہ لیا۔ اور اپنی بہادری و جرأت کے جوہر دکھائے۔ سنہ [illegible]ھ میں وفات پائی۔

رائے رایاں راجہ رگھناتھ داس سعداللہ خانی

راجہ رگھناتھ حساب۔ کتاب۔ معاملہ فہمی و دیانت و امانت میں لاثانی تھے۔ پہلے نواب سعداللہ خاں کے خاص منصبداروں میں ملازم ہوئے۔ اپنی حسن لیاقت سے جلد ہی نواب صاحب کی نگاہ میں معزز ہو گئے۔ سنہ ۱۰۶۲ھ میں شہنشاہ شاہجہان نے ان کی کارگزاری سے خوش ہو کر رائے کا خطاب عطا فرمایا۔ اور دیوانی تن (محکمہ مال کے دیوان) کی خدمت۔ سونے کا قلمدان عنایت کیا۔ اپنی قابلیت سے شاہ کے منظور نظر ہو گئے تھے۔ سنہ ۱۰۶۶ھ میں نواب سعداللہ خاں وزیر اعظم کی وفات کے بعد شہنشاہ نے انہیں رائے رایاں کے خطاب دے کر منصب ہزاری چہار صد سوار سے سرفراز فرمایا۔ اور کل وزارت یعنی وزارت عظمیٰ مال کا کام ان کے سپرد کیا۔ اور سنہ ۱۰۶۸ھ تک یہ اس کام کو سرانجام دیتے رہے۔ دارا شکوہ کے ہار جانے کے بعد جب اورنگ زیب عالمگیر آگرہ میں داخل ہوئے۔ تو راجہ جی بھی معہ اپنے سارے عملہ کے بارگاہ عالمگیری میں حاضر ہوئے خلعت سے سرفراز ہوئے۔ اور اسی عہدے پر قائم رہے۔ شہنشاہ نے پہلے سال ہی انہیں منصب دو ہزار و پانصدی ذات۔ دو ہزار و پانصد سوار سے سرفراز کر کے راجہ کا خطاب عطا فرمایا۔ کھجوہ کی جنگ میں راجہ جی نے ثابت کر دیا کہ وہ صرف قلم کا ہی دھنی نہیں بلکہ تلوار کا بھی دھنی ہے اور سرداری کے جوہر رکھتا ہے۔ شاہ کے دل میں ان کی بہت عزت بڑھ گئی۔ سنہ ۱۰۷۳ھ تک راجہ جی وزیر اعظم کے عہدے پر سرفراز رہے۔ اسی سال وفات پائی۔ شہنشاہ عالمگیر نے راجہ رگھناتھ داس جی کے مرنے کے بعد اگرچہ اس عہدہ [illegible] اور [illegible] کو [illegible] سوائے [illegible] رگھناتھ داس جی کے اپنے [illegible]

[illegible]

یہ کرسی [illegible] بھائی تھے۔ سنہ ۱۰۵۵ھ [illegible] چھوڑ کر شہنشاہ شاہجہان کے دربار میں آئے۔ شاہ نے منصب ہزاری۔ چہار صد سوار سے سرفراز فرمایا۔ [illegible] اور بہادر [illegible] ترقی کر [illegible]

منصب سہ ہزاری پانصدی ذات۔ دو ہزار سوار پر سرفراز ہوا۔ جنگ سموگڈھ میں دارا شکوہ کی طرف سے بہادر اور معتمد سرداروں میں سے شامل ہوا۔ دوستی اور شجاعت کا حق ادا کرتے میدانِ جنگ میں کام آیا۔ دارا شکوہ کو جب اس کے مارے جانے کا علم ہوا بہت رنج پہنچا وہ مارے غم کے دیوانوں کی طرح ہو گیا۔

راجہ رام سنگھ کچھواہا

مرزا۔ راجہ جے سنگھ کا بیٹا تھا۔ ۱۰۵۰ھ میں شہنشاہ شاہجہان نے منصب ہزاری ذات۔ ہزار سوار پر اعزاز بخشا۔ اس کے بعد منصب میں متواتر ترقی ہوتی گئی۔ اور منصب سہ ہزاری تک پہنچا۔ شہنشاہ عالمگیر کے عہد میں ذمہ داری کے کام سرانجام دیتا رہا۔ سیوا جی مرہٹہ جب عالمگیر کے دربار میں آئے تھے تو انہی کے سپرد سیوا جی کا سارا کام کیا گیا تھا سیوا جی کے نکل جانے کے بعد راجہ رام سنگھ کو معطل کر دیا گیا۔ لیکن ۱۰۷۷ھ میں جے سنگھ کے مرنے پر ان کا قصور معاف کر دیا۔ اور خلعت معہ جمدھر مرصع۔ شمشیر معہ ساز مرصع۔ اسپ معہ ساز طلا۔ فیل معہ جل زربفت و ساز نقرہ مرحمت فرمایا۔ راجہ کا خطاب عنایت کیا۔ اور منصب چار ہزاری ذات۔ چار ہزار سوار پر سرفراز فرمایا۔ باپ کی کل جاگیر عطا کی۔ ترقی کرتے کرتے منصب پنج ہزار ذات۔ پنج ہزار سوار۔ دو اسپہ۔ سہ اسپہ تک پہنچے تھے۔ کئی دفعہ خلعت۔ اسپ۔ ہاتھی۔ اور بیش قیمت جواہرات انعام میں شاہ کے حضور سے ملے تھے۔ ۱۰۹۶ھ میں وفات پائی۔ ان کے دونوں لڑکوں کشن سنگھ بشن سنگھ کو شہنشاہ نے نوازا۔ دونوں کو راجہ کا خطاب دیا۔ بشن سنگھ کو منصب ہزاری ذات چہار صد سوار پر سرفراز کیا گیا تھا۔

راجہ رتن چند

قوم کے بنیا تھے۔ سید عبداللہ خاں الٰہ آباد کے صوبہ دار کے دیوان تھے۔ فرخ سیر بادشاہ نے ۱۱۲۴ھ میں رتن چند کو راجہ کا خطاب دیا۔ اور دو ہزاری منصب عطا کیا۔ بادشاہ گر دونوں سید بھائیوں اور رتن چند کا اقتدار فرخ سیر کے وقت اسقدر بڑھ گیا کہ گویا سفید و سیاہ کے مالک بن گئے۔ جب ۱۱۳۱ھ میں بہادر شاہ کے پوتے ابو البرکات رفیع الدرجات کو بیس برس کی عمر میں تخت پر بٹھایا گیا۔ تو تخت نشینی کے پہلے دن ہی رتن چند نے جزیہ کی معافی کا حکم جاری کر دیا۔

اگرچہ فرخ سیر کے عہد سے محمد شاہ کے عہد تک علیحدہ علیحدہ صوبے دار مقرر کئے جاتے تھے۔ مگر درحقیقت کل عہدے داران مالی ملکی حتیٰ کہ عدالت کے حکام تک اپنے آپ کو رتن چند کا نائب سمجھ کر ان کے اشاروں پر چلتے تھے۔ صوبہ دار سپہ سالار سے لے کر رکابدار خزانچی تک بادشاہ گروں اور رتن چند کے ہی بجائی بند مامور تھے۔

عمدۃ الملک رائے رایان راجہ بکرماجیت۔ سندر داس

ذات کے برہمن تھے۔ عام منشیوں کے زمرے میں شاہزادہ خورم کی سرکار میں ملازم ہوئے۔ تلوار اور قلم کے دھنی تھے۔ رانا امر سنگھ کے کنور کرن کو دربار جہانگیری میں لانے پر خطاب رائے رایان عطا ہوا۔ بیجاپور کی سفارت کا کام بھی نہایت عمدگی سے سرانجام دیا۔ جس کی بنا پر آپ کو سب سے معزز خطاب "راجہ بکرماجیت" سے نوازا گیا۔ اور منصب میں ترقی ملی۔ مہم کانگڑہ میں کامیابی پر شاہ نے خلعت و شمشیر عطا کر کے پرگنہ بڈھانہ جاگیر میں عطا کیا۔ جس کی آمدنی بائیس لاکھ درم تھی (درم = ایک روپیہ) اور عمدۃ الملک القاب میں داخل ہوا۔ راجہ جی کو اس زمانہ کا سب سے بڑا منصب پانچ ہزاری ملا ہوا تھا۔ راجہ جی بے اولاد فوت ہوئے شاہ نے ان کے بھائی [illegible] داس کو ان کے قائم مقام بنا کر صوبہ گجرات کا گورنر مقرر کیا۔

راجہ ساہو جی بھونسلا

یہ راجہ سنبھا جی کا بیٹا۔ سیوا جی مرہٹہ کا پوتا تھا۔ ۱۱۰۱ھ میں سات سال کی عمر میں جب باپ کے ساتھ شہنشاہ اورنگ زیب کے دربار میں آیا۔ تو سابقہ قصور معاف کرتے ہوئے منصب ہفت ہزاری ذات۔ ہفت ہزار سوار سے ممتاز کیا گیا۔ راجہ کا خطاب دیا۔ خلعت جمدھر مرصع۔ اسپ۔ فیل۔ علم و نقارہ عنایت فرمائے۔ منصب کی تنخواہ کے ذخیرہ علاقے میں جاگیر بھی عطا فرمائے۔

۱۱۱۵ھ میں شہنشاہ نے اڑیسی نگین۔ سونے کی پہنچی جس میں الماس جڑے تھے۔ اور پانچ سونے کی انگوٹھیاں جڑاؤ۔ جمدھر۔ اسپ معہ زین طلا عنایت فرمائے۔ اگلے سال راجہ بہادر جی کی لڑکی سے بڑی دھوم دھام سے شہنشاہ نے راجہ ساہو جی کی شادی کر دی۔ اور کمر بند مرصع اور سرپیچ میناکار۔ اور چند مرصع قیمتی دس ہزار روپیہ عطا فرمایا۔

۱۱۱۷ھ تک شاہ نے بڑی ناز و نعمت سے راجہ سنبھا جی کی پرورش اور تعلیم و تربیت کی۔ اسی سال شاہ کے مرنے کے بعد شاہزادہ محمد اعظم نے ذوالفقار خاں صاحب کی سفارش سے راجہ جی کو مطلق العنان کر دیا۔ راجہ جی سب سے پہلے شہنشاہ اورنگ زیب کی نو تعمیر کی گئی قبر پر گئے۔ نہایت سلیقہ سے ناچ کرا کر اس پر شہنشاہ کے نام کی فاتحہ پڑھوا کر نقد روپیہ کے ساتھ فقراء و مساکین میں تقسیم کیا۔ پھر خلد آباد شہنشاہ کے مزار پر بیس ہزار سواروں کے ساتھ آئے اور بہت سی خیرات کروا کر اپنے قیام کو روانہ ہوئے جب تک راجہ سنبھا جی شہنشاہ اورنگ زیب کے زیر سایہ تربیت پاتے رہے۔ شاہ نے راجہ کے بھائیوں۔ ماں۔ دادی اور بیٹی [illegible] اودے سنگھ اور اس کے دوسرے چھوٹے بیٹوں سے ایسا فیاضانہ برتاؤ کیا کہ اس کی نظیر تاریخ ہند میں محال ہے۔ اور دوسرے ممالک میں بھی اس کا ملنا مشکل امر ہے۔ ہر ایک کے حسبِ قرار منصب تھے۔ سب کے واسطے علیحدہ علیحدہ خدمتگار مقرر تھے۔

رانا شنکر

رانا اودے سنگھ کا بیٹا شہنشاہ اکبر کے دربار منصب دو صدی پر سرفراز ہوا۔ شہنشاہ جہانگیر نے تخت نشین ہونے پر بارہ ہزار روپیہ نقد مرحمت کیا۔ خلعت۔ شمشیر مرصع عطا کیا ترقی کر کے منصب سہ ہزاری ذات۔ دو ہزار سوار سے سرفراز ہوا۔ ان کی وفات پر ان کے بیٹے مان سنگھ کو منصب ہزاری ذات۔ چھ صد سوار سے سرفراز کیا۔ اسکے بعد مان سنگھ ترقی کرتے رہے۔

راجہ کشن سنگھ

راجہ اودے سنگھ راٹھور کا بیٹا تھا۔ شہنشاہ جہانگیر کے دربار میں منصب دو ہزاری ذات۔ ہزار سوار سے ترقی کرتے کرتے منصب سہ ہزار۔ ہزار و پانصد سوار سے سرفراز ہوا۔ انہوں نے کشن گڑھ آباد کیا تھا۔ جہانگیر نے اس کے چاروں بیٹوں ہری سنگھ۔ جگمال۔ پہاڑ مل۔ [illegible] مل کو ملازمت عطا کی بعد ازاں منصب عطا ہوئے۔

رانا کرن سنگھ

راجگانِ میواڑ (اودے پور) اپنے خاندان کا سلسلہ نوشیروان عادل سے ملاتے ہیں۔ سارے ہندوستان کے راجے مہاراجے اس خاندان کی عزت کرتے تھے تزک جہانگیری میں ہے۔ کہ رانا امر سنگھ اور اس کے آباؤ اجداد کی سرداری اور سرداری کو تمام ہندوستان کے راجے تسلیم کرتے ہیں۔

جہانگیر نے مہابت خاں کے بعد شہزادہ خورم (شاہجہان) کو رانا امر سنگھ کے مقابل کیلئے بھیجا۔ رانا صلح پر مجبور ہوا۔ اپنے بیٹے رانا کرن کو ملازمت شاہی کے واسطے دربار میں بھیجا۔ دربار میں رانا نے معمولی ادب و آداب کے بعد شاہ کو سجدۂ تعظیم کیا۔ اور امرائے راست کے زمرہ میں کھڑا ہوا۔ شاہ نے فوراً خلعت پہنوا کر شمشیر مرصع کمر سے بندھوائی۔ پھر ہر روز خاطر داری کرتے بادشاہ خود لکھتے ہیں۔

"چونکہ کرن کو ہمیشہ پہاڑوں میں رہنے کی وجہ سے کبھی مجلس میں شریک ہونے کا اتفاق نہیں ہوا۔ لہذا وحشی مزاج تھا۔ ایسے وحشی کو رام کرنے کے لئے میں نے روزانہ نئی نئی نوازشوں سے سرفراز کرنا مناسب سمجھا چنانچہ دوسرے دن خنجر مرصع۔ تیسرے دن عراقی گھوڑا معہ زین طلاء اپنی طرف سے اور خلعت فاخرہ۔ شمشیر مرصع اور اسپ۔ فیل نورجہاں بیگم کی طرف سے مرحمت کیا۔ اس کے بعد نہایت قیمتی مروارید کی تسبیح تین باز۔ تین قبضہ شمشیر۔ ایک بکتر۔ ایک جوشن دو انگوٹھیاں جن سے ایک میں لعل دوسری میں زمرد کا نگینہ تھا عطا کیں۔ اخیر مہینے میں ہر قسم کے کپڑے۔ ہر قسم کی خوشبوئیں۔ طلائی برتن سو خوانوں میں چن کر اور خدمتگاروں کے کندھوں پر رکھوا کر دربار میں منگوائے اور کرن کو مرحمت فرمائے۔"

رانا جی کو منصب پانچ ہزاری۔ پانچ ہزار سوار ملا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کا بیٹا جگت سنگھ دربار میں آیا۔ شاہ نے نوازشِ شاہانہ سے مالا مال کیا۔ رخصت کرتے وقت بیس ہزار روپیہ نقد۔ ایک گھوڑا۔ ایک ہاتھی۔ ایک بیش قیمت شال جگت سنگھ کو عنایت کیا۔ اور اس کے اتالیق ہر داس جھالا کو پانچ ہزار نقد۔ ایک گھوڑا اور خلعت عطا کی۔

رانا امر سنگھ کے مرنے پر خطاب رانا سے موصوف کر کے خلعت، ہاتھی اور گھوڑا ارسال کیا۔ اس موقع پر جگت سنگھ بھیم سنگھ ولد رانا امر سنگھ کو خلعت تعزیت عطا کیا۔ یہ دونوں ملازمت شاہی میں تھے جگت سنگھ کو خطاب رانا۔ منصب پنجہزاری ذات پانچ ہزار سوار ملا ہوا تھا۔ رانا کرن ہر سال بادشاہ کے حضور پیشکش گذارتے تھے اور انعام و اکرام پاتے تھے۔

راجہ جگت سنگھ کے مرنے کے بعد راج کنور کو خطاب "رانا" سے موصوف کر کے منصب پانچہزاری ذات۔ پانچہزار سوار سے سرفراز کیا۔ شہنشاہ عالمگیر کی سلطنت کے ۲۲ ویں سال راٹھوروں کے ساتھ اس نے بھی بغاوت کی تا شہزادہ محمد اعظم کی سفارش پر سارا مفتوحہ ملک واپس دیدیا گیا۔ منصب پانچزاری ذات۔ پانچزار سوار سے سرفراز کیا گیا۔ وفات کے بعد اس کے بڑے بیٹے جے سنگھ کو رانا کا خطاب۔ منصب پانچزاری ملا۔ اندر سنگھ ولد راج سنگھ منصب دو ہزار۔ ہزار سوار سے ممتاز کیا گیا۔ بہادر سنگھ ولد راناراج سنگھ منصب ہزاری پانصد سوار سے سرفراز ہوا۔ شہنشاہ جہانگیر نے ۱۰۲۳ھ جلوس میں رانا امر سنگھ اور رانا کرن سنگھ کی صورت کے سنگ مرمر کے بت تیار کروا کر قلعہ آگرہ میں جھروکے کے درشن کے نیچے پائیں باغ میں بطور یادگار نصب کروائے تھے۔

مغلیہ بادشاہوں کا یہ خاص حسنِ سلوک اپنے سرداروں اور امیروں سے نظر آتا ہے کہ ہر سردار کے مرنے کے بعد اس کی اولاد کا خاص اہتمام سے انتظام کیا تھا۔ اول تو بڑے بیٹے کو باپ کا خطاب و عہدہ دیدیا۔ اور دوسرے بیٹوں کے لیے بیش بہا گذارے اور عہدے مقرر کر دیتے تھے۔ ان کی

[illegible]

قومی ترقیوں میں عورتوں کا حصہ

(از کرم خورشید عالم صاحب بی۔ ایس۔ سی غازی پور (بہار))

آجکل کے اکثر نوجوانوں کو آپ یہ بحث کرتے ہوئے پائیں گے۔ کہ عورت چراغ خانہ ہے یا شمع انجمن۔ یہ بات محض نوجوان مردوں تک ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ ہماری بعض بہنیں بھی اس بحث سے دلچسپی کا اظہار کرتی ہیں۔ شاید وہ سمجھتی ہیں۔ کہ جب ان کے مستقبل کا فیصلہ ہو رہا ہے۔ تو کیوں نہ وہ بھی اپنی رائے کا آزادی سے اظہار کریں۔

میں بھی اکثر اس بات پہ غور کرتا ہوں۔ کہ عورتوں کو کون سا مقام بخشا جائے۔ آج دو متضاد متمدن تہذیبوں نے عورت کو دو متضاد مقام عطا کئے ہیں۔ ایک طرف وہ بلا کسی روک ٹوک کے مردوں کے شانہ بشانہ زندگی کی ہر ایک دوڑ میں حصہ لے رہی ہے۔ وہ کلبوں کی زینت ہے۔ پارکوں میں محو خرام نظر آتی ہے۔ اور رقص گاہیں اسی کی وجہ سے آباد ہیں۔ دوسری تہذیب و تمدن کے علمبردار اس بات کو بے حیائی اور فحاشی سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن مقابل میں جو مقام انہوں نے عورتوں کو عطا کیا ہے۔ وہ اس لائق نہیں ہے کہ اس کی تعریف کی جا سکے۔ وہ عورت کو ذلیل غلام تصور کرتے ہیں اور محض اولاد پیدا کرنے والی مشین کا درجہ اسے عطا کرتے ہیں

دونوں حالتیں قابل افسوس ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب دو باتیں سامنے ہوں اور آپ کو وہ دونوں ناپسند ہوں تو آپ دونوں کی درمیانی بات پر غور کیجئے۔ لیکن یہاں تو فرق اس قدر شدید ہے کہ درمیان کی کوئی بات بھی منظر پر نہیں لائی جا سکتی ہے۔

آج کی عورت کے لئے موزوں مقام معلوم کرنے کے لئے بہر حال کوئی تیسری راہ ڈھونڈنی پڑے گی۔ سب سے پہلے عورت کو اس اہمیت کا احساس دلایا جانا چاہئے جو اسے قومی زندگی میں حاصل ہے۔ اسے بتایا جائے کہ نہ تو وہ شمع انجمن ہے اور نہ چراغ خانہ۔ وہ اپنے آپ کو ان فضول اور معمولی باتوں کے چکر میں نہ رکھے۔ اس کا مقام بہت ہی بلند ہے۔ اور وہ اس مقام کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس فرض کو ادا کرنے کی کوشش کرے جو اس پر اس مقام پر پہنچنے کی وجہ سے عائد ہوتا ہے۔

آنے والی نسل کی صحیح پرورش کا بار اسی کے کندھوں پر ہے۔

یہ معمولی بات نہیں ہے کہ اپنے بچوں میں خالد جیسی مجاہدانہ سپرٹ پیدا کی جائے۔ یہ آسان کام نہیں ہے کہ ان میں چشتی رح جیسا صوفیانہ اور درویشانہ جذبہ پیدا کیا جائے۔ اور یہ بھی معمولی بات نہیں ہے کہ ان میں حضرت ابو حنیفہؒ اور دوسرے بزرگان دین کی طرح عالمانہ اور محققانہ روح پیدا کی جائے۔

قریب قریب ہر عورت ماں بنتی ہے۔ اس لئے ماں عورت کا دوسرا نام ہے۔ ماؤں کی گود میں نونہالان قوم و وطن کی پرورش ہوتی ہے۔ یہ اس کی گود ہی ہوتی ہے جہاں بچہ زندگی کا پہلا سبق حاصل کرتا ہے۔ اسی کی گود میں وہ پہلی دفعہ روتا ہے اور پہلی ہی دفعہ مسکراتا ہے۔ قوم کی امیدیں ہمیشہ آنے والی نسلوں سے وابستہ رہتی ہیں۔ جاننے والے ہمیشہ یہ سوچتے ہیں کہ جو ہم نہ کر سکے وہ ہماری آنے والی نسلیں کریں گی۔ ان نسلوں کی اچھائی اور برائی کا راز ان کی ماؤں کی صحیح طریق پرورش اور تربیت پر ہوتی ہے

لہذا آج کی عورتوں کو خاص کر احمدی مستورات کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہیئے۔ چراغ خانہ اور شمع انجمن کی باتیں ان کی توہین کے مترادف ہیں۔ ان کا مقام ان سب باتوں سے بہت بلند ہے۔ ان کی گودوں سے آئندہ کل قوموں کے رہنما پیدا ہوتے ہیں۔ وہ قومی زندگی کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی معمار ہیں۔ معمار کو ہمیشہ یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ کہیں اس کی بنائی ہوئی یا بنتی ہوئی عمارت ایسی تو نہیں ہے کہ زلزلہ کے ایک معمولی سے جھٹکے سے اس کی بنیادیں ہل جائیں اور وہ دھڑام سے زمین پر آ رہے۔ اگر کوئی ایسی عمارت ہے۔ تو وہ معمار کی کمزوری اور نکمے پن کا ثبوت ہے اور کسی بھی معمار کی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ اسے برے ناموں سے یاد کیا جائے

ہماری احمدی بہنو! مخالف ہوائیں تیزی سے چل رہی ہیں۔ باد صرصر نے ہمارے کارواں کی راہوں میں رکاوٹ پیدا کر دی ہے۔ سارے شیطان متحد ہماری مخالفت کے لئے متحد ہو رہے ہیں۔ اور منگیں [illegible] رہے ہیں۔ مخالف کا پلا دار ہم پر پڑ چکا ہے۔ اور جماعت تک [illegible] دار کے زخم سے [illegible] رہے ہیں۔

دیکھو! تمہاری گودوں سے ایسا ایسے نونہال نکلیں جو ہنستے ہوئے اس موج بلا سے کھیلتے جائیں۔ مسکراتے ہوئے باد مخالف کا استقبال کئے جائیں اور خوش دلی سے مخالف کے ہر وار کو سنبھالتے جائیں۔ احمدیت کا علم ہمیشہ ان کے ہاتھوں میں لہراتا رہے۔ اس کو سرنگوں کرنے کی ساری کوششوں کو وہ ناکام بناتے رہیں خواہ اس کے لئے انہیں کتنی ہی قربانیاں کیوں نہ دینی پڑیں۔ آج تم عائشہؓ، خولہؓ، خدیجہؓ اور فاطمہؓ کا نام فخر سے لیتی ہو اور اپنے جنس کے کارناموں میں انکے کارناموں کو بطور مثال پیش کرتی ہو کوشش کرو کہ آنے والی نسلیں تمہارا بھی نام اپنے فرض سے ... [illegible] کارناموں کو اسی طرح بطور مثال پیش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

یہ بے کار گائیں

مویشیوں کی تربیت کے سلسلہ میں جو رپورٹ حال میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اس وقت سارے ملک میں تین ہزار گئوشالائیں قائم ہیں۔ جن میں چھ لاکھ گائیں پرورش پاتی ہیں۔ اور جن پر سات کروڑ روپیہ صرف کیا گیا ہے۔ مگر رپورٹ میں یہ نہیں بتایا گیا کہ گایوں کے دودھ اور گھی سے سات کروڑ روپیہ وصول بھی ہو جاتا ہے یا نہیں؟ ہمارا خیال ہے کہ سات کروڑ روپیہ کے بدلے میں مشکل ہی سے تین کروڑ روپیہ کا دودھ گھی وصول کیا جاتا ہوگا

اسی رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے۔ کہ اس وقت بے کار مویشیوں کی ایک بڑی تعداد پر کافی رقم خرچ کی جا رہی ہے۔ قطع نظر اس کے کہ بے کار گائیں اچھی گایوں کا چارہ کھا جاتی ہیں۔ وہ اپنی بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے اس کے سوا کوئی فائدہ نہیں کہ بیماریاں پھیلائیں اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی خراب کریں۔ ان کا علاج یہ ہے کہ وہ جنگلوں اور بے کار زمینوں میں دھکیل دی جائیں! "ان کے ذریعہ زمینوں کے لئے کھاد حاصل کیا جائے"! اور پھر نہیں بتایا گیا کہ اچھی گایوں کے مقابلہ میں بے کار گایوں کی تعداد کتنی ہے۔ پہلی رپورٹوں کی بناء پر ہمارا اندازہ یہ ہے کہ ہندوستان کی ... کروڑ میں بے کار اور ناکارہ گایوں کی تعداد ایک کروڑ سے کم نہ ہوگی۔ یہ سچ ہے کہ بے کار گائیں اچھی گایوں کے چارہ میں شریک ہو کر ملک کی اقتصادی حالت کو خراب کرتی ہیں۔ مگر اس کا یہ علاج نہیں کہ انھیں آوارہ گردی کے لئے یوں ہی جنگلوں میں چھوڑ دیا جائے۔ کاش وہ لوگ جو گائے کے مسئلہ کا جوڑ معاشیات سے لگاتے ہیں۔ ان بے کار گایوں کا کوئی صحیح مصرف تلاش کریں تاکہ ان کی وجہ سے ملک کو اقتصادی نقصان برداشت نہ کرنا پڑے۔ (منقول از روزنامہ الجمعیۃ مورخہ ۱۲/۹/۵۱)

ختم نبوت اور جماعت احمدیہ بقیہ صفحہ ۵

کہاں کیطرف وحی لانیوالے جبرئیل ہونگے بلکہ ہمیں یہی یقین ہے اور اسمیں ہم تردد نہیں کرتے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان جبرئیل خدا تعالیٰ کے سفیر ہیں۔ اور کوئی اور فرشتہ اس کام کیلئے معروف نہیں ہے۔ ابو حاتم نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جبرئیل کے سپرد انبیاء کی طرف کتب اور وحی لانے کا کام ہے اور یہ جو زبان زد عام ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد زمین پر نزول جبرئیل نہ ہوگا۔ یہ بات بالکل بے اصل اور بے حقیقت ہے اور چند احادیث میں جبرئیل کے زمین پر نازل ہونے کا ذکر آتا ہے

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت عیسےٰؑ نازل ہونگے اور وہ نبی بھی ہونگے اور ان پر جبرئیل کا نزول بھی ہوگا تو ختم نبوت کیونکر سالم رہی؟ اس سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو ایسی شریعت لانے کے جو کامل و مکمل ہے اور جو کبھی منسوخ نہ ہوگی پھر بھی کم از کم ایک نبی آنے پر غیر احمدی یقین رکھتے ہیں جو دجال جیسے عظیم فتنہ کی سرکوبی کیلئے آئیگا ایسے عظیم فتنہ کی پامالی کے لئے کہ جس سے ہر نبی اپنی قوم کو ڈراتا آیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ امت محمدیہ میں غیر تشریعی نبی کا کام موجود ہے تبھی حضرت عیسےٰؑ کے نزول پر انکا یقین ہے، جب غیر تشریعی نبی کا کام موجود ہے اور احادیث کی رو سے مسلمان تارک اسلام۔ تارک قرآن اور تارک شریعت ہو جائیں گے اور یہود کی طرح ضلالت کے عمیق گڑھوں میں گر جائیں گے جیسا کہ یہ سب کچھ اب منصۂ شہود پر آ چکا ہے تو ایسے وقت میں یقیناً امت مسلمہ میں سے ہی ایک نبی کی بعثت ضروری تھی۔ ورنہ امت مسلمہ کے باہر سے اسکی اصلاح کے لئے نبی آنیکا یہ مطلب ہوا کہ ایک طرف ہم حضور صلعم کو تمام انبیاء سے افضل قرار دیتے ہیں لیکن یقین یہ رکھتے ہیں کہ آپکی امت یہود کے نقش قدم پر چلنے لگے گی اور اسمیں مسیح دجال بھی پیدا ہونگے گویا گمراہی کے تمام سامان امت کے اندر لیکن اصلاح کے اسباب اسمیں ہرگز پیدا نہ ہونگے بلکہ مصلح باہر سے ہی آئیگا اور اصلاح کر کے حضور صلعم کو اپنا منت کش بنائیگا۔ وہ جو رحمۃ للعالمین ہیں وہ اپنی امت کے لئے خاص رحمت کھو دینگے اور امت کی ضلالت کے بعد امت کیلئے رحمت حضرت موسےٰ کے سلسلہ کے ایک نبی حضرت عیسےٰ کے ذریعہ حاصل ہوگی معاذ اللہ معاذ اللہ۔

بعض لوگ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ [illegible] کلمہ پڑھ کر امتی بن جائیں گے لہذا نبی نہ رہیں گے۔ اس لئے حضور صلعم بار کشِ منت غیر نہ ہوں گے۔ جواباً یہ گذارش ہے [illegible] مذکورہ بالا سے بعد نزول حضرت عیسےٰؑ کا نبی ہونا ثابت ہے [illegible] امتی قرار دینے سے یہ ظاہر ہوا کہ اگر امتی نبی آئے تو مہر ختم نبوت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا [illegible] امتی نبی کی آمد کا امکان ثابت ہوا۔ سو ہم تو کلمہ طیبہ کو ایک برکت سمجھتے ہیں جس کا پڑھنا درجات کی رفعت کا باعث ہے [illegible] نبی پڑھے تو غیر نبی ہو جائے گویا اسطرح [illegible] پڑھ کر صدیق کے مقام سے گر جائے شہید پڑھے تو شہید کے مقام پر فائز ... [illegible]

[illegible] سراسر ... قوم نہیں رہ سکتا۔ اور ایک صالح پڑھے تو غیر صالح ہو جائے گا۔ اور ایک شخص جو ابدال مقام صالحیت کے حصول کیلئے شیطان سے نبرد آزما اور برسرپیکار ہے۔ جب وہ کلمہ پڑھیگا تو اس کا کیا حشر ہوگا؟ معاذ اللہ۔ غیر احمدیوں کا یہ خیال سراسر [illegible]

مسیحیت

از جناب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل وکیل یادگیر

مسیحی مذہب سے مراد فی الحقیقت وہ مذہب نہیں جس کی تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ بلکہ وہ مذہب ہے جو حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے اس امر کے ذیل دلائل موجود ہیں کہ اس مسیحیت کی تعلیم حضرت عیسیٰ نے نہیں دی تھی بلکہ وہ تو وہی اسلام لے کر آئے تھے جو ان سے پہلے سارے پیغمبر لائے تھے۔ اور ان کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے۔

آج کی انجیل میں مسیح علیہ السلام کی صحیح تعلیم نہیں ملتی اور اس کے وجوہات

جس مجموعہ کو انجیل کہتے ہیں وہ دراصل چار بڑے صحیفوں پر مشتمل ہے۔ متی۔ مرقس۔ لوقا۔ یوحنا لیکن ان میں سے کوئی صحیفہ بھی حضرت عیسیٰ کا نہیں ہے جس طرح قرآن مجید میں وہ تمام منزل من اللہ آیات اور سورتیں جمع ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھیں۔ اسی طرح کسی کتاب میں وہ وحیاں ہم کو یکجا نہیں ملتیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھیں۔ بلکہ وہ مواعظ و نصائح بھی ہم کو خود حضرت عیسیٰ کے اپنے الفاظ میں کہیں نہیں ملتے جو انہوں نے اپنی پیغمبرانہ زندگی کے زمانہ میں مختلف مواقع پر ارشاد فرمائے تھے۔ یہ صحیفے جو ہم تک پہنچے ہیں نہ خدا کا کلام ہیں نہ حضرت عیسیٰ کا بلکہ وہ دراصل حضرت عیسیٰ کے حواریوں بلکہ حواریوں کے بھی شاگردوں کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں جن میں ان لوگوں نے اپنے علم و فہم کے مطابق حضرت کے حالات اور ان کی تعلیمات کو جمع کیا ہے۔ لیکن یہ کتابیں خود اس قدر مجہول الحال ہیں کہ ان پر کچھ زیادہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

(۱) پہلی کتاب مسیح کے حواری متی کی طرف منسوب ہے اور یہ تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ متی کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔ متی کی اصل کتاب جس کا نام لوجیا (Logia) تھا مفقود ہے جو کتاب متی کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ اس کا مصنف کوئی گمنام شخص ہے۔ جس نے دوسری کتابوں کے ساتھ لوجیا سے بھی استفادہ کیا تھا۔ خود متی کو اس میں اس طرح کیا گیا ہے جیسے کسی غیر آدمی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ متی باب ۹ آیت ۹ میں ہے۔

بقیہ صفحہ [illegible] سے آگے بڑھ کر

"ایک شخص کو محصول کی چوکی پر دیکھا" ظاہر ہے کہ مصنف خود اپنا تذکرہ اس طرح نہیں کر سکتا تھا۔

پھر اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیادہ تر مرقس کی انجیل سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ اس کی ۱۰۶۸ آیات میں سے ۴۷۰ بعینہٖ وہی ہیں جو مرقس کی انجیل میں آئی ہیں۔ حالانکہ اگر ان کا مصنف متی حواری ہوتا تو اس کو ایک ایسے شخص کی کتاب سے استفادہ کرنے کی ضرورت نہ تھی جو نہ حواری تھا اور نہ حضرت عیسیٰ سے کبھی ملا تھا مسیحی علماء کا خیال ہے کہ یہ کتاب ۷۰ء میں یعنی مسیح سے ۴۱ برس بعد لکھی گئی ہے۔ اور بعض کا خیال ہے کہ ۸۰ء کی تصنیف ہے۔

(۲) دوسری کتاب مرقس کی طرف منسوب ہے اور عموماً تسلیم کیا جاتا ہے کہ مرقس خود ہی اس کا مصنف ہے۔ لیکن یہ ثابت ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ سے کبھی نہیں ملا اور نہ ان کا مرید ہوا۔ البعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ کو صلیب دیئے جانے کے وقت وہ تماشائی کی حیثیت سے موجود تھا۔ مگر اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے) وہ دراصل پطرس حواری (St Peter) کا مرید تھا۔ اور جو کچھ ان سے سنتا تھا اُسے یونانی زبان میں لکھ لیا کرتا تھا۔ اس وجہ سے عیسائی مصنفین اس کو عموماً "پطرس" کا ترجمان کہا کرتے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب ۶۳ء اور ۷۰ء کے درمیان کسی زمانہ میں لکھی گئی ہے۔

(۳) تیسری کتاب لوقا کی طرف منسوب ہے اور یہ بالکل مسلم ہے کہ لوقا نے کبھی مسیح کو نہیں دیکھا اور نہ ان سے استفادہ کیا۔ وہ پولوس (St Paul) کا مرید تھا ہمیشہ اسی کی صحبت میں رہا۔ اور اس نے اپنی انجیل میں اسی کے خیالات کی ترجمانی کی۔ چنانچہ خود پولوس اسی کی انجیل کو اپنی انجیل کہتا ہے۔ لیکن یہ ثابت ہے کہ سینٹ پال خود بھی مسیح کی صحبت سے محروم تھا اور مسیحی روایات کے مطابق واقعہ صلیب کے کچھ برس بعد اس مذہب میں داخل ہوا۔ اس لئے لوقا اور مسیح کے درمیان سلسلہ روایت کی ایک کڑی بالکل غائب ہے۔ انجیل لوقا کی تاریخ تحریر بھی متعین نہیں ہے۔ بعض اس کو ۸۰ء کی تصنیف بتاتے ہیں۔ اور بعض ۱۰۰ء کی۔ گر ہارنگ

سینگفرڈ اور بلومر جیسے مصنفین کی رائے یہ ہے کہ وہ ۱۰۰ء سے پہلے نہیں لکھی گئی۔

(۴) چوتھی کتاب جو یوحنا کی انجیل کہلاتی ہے جدید تحقیقات کے مطابق مشہور یوحنا حواری کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ کسی اور مجہول الاحوال شخص کی ہے جس کا نام یوحنا تھا۔ یہ کتاب مسیح سے بہت بعد ۹۰ء میں یا اس کے بعد لکھی گئی ہے ہارنگ اس مدت کو ۱۱۰ء تک بڑھا دیتا ہے

ظاہر ہے کہ ان کتابوں میں سے کسی ایک کا سلسلہ بھی مسیح تک نہیں پہنچتا ہے اور ان کی سند پر وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ مسیح نے کیا کہا تھا اور کیا نہیں کہا تھا۔ لیکن زیادہ عمیق تحقیقات سے ان کتابوں کی مستند حیثیت اور بھی زیادہ مشکوک ہو جاتی ہے۔

اولاً چاروں انجیلوں کے بیانات میں اختلاف ہے حتیٰ کہ پہاڑی وعظ کو بھی۔ جو مسیحی تعلیم کا اصل الاصول ہے۔ متی مرقس اور لوقا تینوں نے مختلف اور متضاد طریقوں سے بیان کیا ہے۔

ثانیاً۔ چاروں انجیلوں میں ان کے مصنفین کے خیالات و تاثرات صاف طور پر نمایاں ہیں۔ متی کے مخاطب یہودی معلوم ہوتے ہیں اور وہ ان پر اتمام حجت کرتا نظر آتا ہے۔ مرقس کے مخاطب رومی ہیں۔ اور وہ ان کو اسرائیلیات سے روشناس کرانا چاہتا ہے۔ لوقا سینٹ پال کا وکیل ہے۔ اور دوسرے حواریوں کے خلاف اس کے دعاوی کی تائید کرتا ہے۔ جناب یوحنا ان فلسفیانہ خیالات سے متاثر نظر آتا ہے۔ جو پہلی صدی عیسوی کے اواخر میں مسیحیوں کے درمیان پھیل گئے تھے۔ اس طرح ان چاروں انجیلوں کے درمیان معنوی اختلاف۔ لفظی اختلاف سے بھی زیادہ ہو گیا ہے۔

ثالثاً۔ انجیل سب کی سب یونانی زبان میں لکھی گئی ہیں۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ اور ان کے تمام حواریوں کی زبان عبرانی تھی۔ زبان کے اختلاف سے خیالات کی تعبیر میں اختلاف ہو جانا قدرتی بات ہے۔

رابعاً۔ انجیل کو ضبط تحریر میں لانے کی کوشش دوسری صدی عیسوی سے پہلے نہیں کی گئی۔ سنہ ۱۵۰ء تک عام خیال یہ تھا کہ زبانی روایت تحریر سے زیادہ مفید ہے۔ دوسری صدی کے آخر میں لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ لیکن اس زمانہ کی تحریروں کو مستند نہیں سمجھا جاتا "عہد جدید" (New testament) کا پہلا مستند متن قرطاجنہ کی کونسل میں منظور کیا گیا جو ۳۹۷ء میں منعقد ہوئی تھی۔

خامساً۔ انجیل کا قدیم ترین نسخہ جو اس [illegible]

وقت دنیا میں موجود ہے۔ چوتھی صدی عیسوی کے وسط کا ہے۔ دوسرا نسخہ پانچویں صدی کا اور تیسرا ناقص نسخہ بھی جو پاپائے روم کے کتب خانہ میں ہے۔ چوتھی صدی سے زیادہ قدیم نہیں ہے۔ پس یہ کہنا مشکل ہے کہ پہلی تین صدیوں میں جو انجیلیں رائج تھیں۔ ان سے موجودہ انجیل کس حد تک مطابقت رکھتی ہیں۔

سادساً۔ انجیل کو قرآن کریم کی طرح حفظ کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی گئی۔ ان کی اشاعت کا انحصار ابتداً روایت بالمعنی پر رہا جس میں حافظہ کے اختلال اور راویوں کے ذاتی خیالات کا اثر آنا قدرتی امر ہے۔ بعد میں جب کتابت کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ نقل نویسوں کے رحم پر تھیں۔ نقل کرتے وقت ہر شخص کے لئے آسان تھا کہ جس چیز کو اپنے منشاء کے خلاف دیکھے حذف کر دے۔ اور جس کی کمی پاوے بڑھا دے یہ بحث ذیل کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔

Dummelow commentary on the Holy Bible.
T. K. Cheyne, Encyclopedia Biblica, Milman, History of Christianity

یہ وجوہ ہیں جن کی بناء پر ہم وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اناجیل میں ہم کو مسیح کی صحیح تعلیم ملتی ہے۔

قابل توجہ مبلغین ہند

ہر سال جلسہ سالانہ کے موقعہ پر بعض ناظرین پاکستان سے قادیان تشریف لاتے ہیں کوشش کی جاتی ہے کہ آنیوالے دوستوں میں زیادہ سے زیادہ تعداد ردیف ان قادیان کے رشتہ داروں کی ہو۔ تا انہیں ملاقات کا موقعہ میسر آسکے چنانچہ اس انتظام کے ماتحت اکثر مبلغین کرام کے رشتہ دار بھی قادیان آچکے ہیں اب انجمن کے فیصلہ کی روشنی میں یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ

۱۔ جس جس مبلغ کا کوئی رشتہ دار کسی وقت قادیان آ کر جا چکا ہے اگر اب کی بار اس کا کوئی رشتہ دار آئے تو مبلغ کو مرکز تبلیغ سے قادیان و واپسی کا زاد راہ سفر ادا نہیں کر سکے گا۔

۲۔ ایسے مبلغین جن کے رشتہ دار تا حال جلسہ پر قادیان نہیں آسکے اگر وہ اس سال اپنے کسی رشتہ دار کو منگوانا چاہیں تو فوراً دفتر ہذا میں اس امر کی وضاحت کے ساتھ درخواست دیں تا ان کی درخواست انجمن میں پیش کر کے مبلغ کو قادیان آمد و رفت اخراجات کی منظوری حاصل کی جائے

۳۔ انجمن کی طرف سے خط آمد و رفت کی منظوری کی اطلاع دفتر ہذا کی جانب سے بذریعہ خط دی جائے گی جس میں لکھا ہو گا کہ مبلغ صاحب کس تاریخ کو قادیان تشریف لائیں ایسی درخواست میں دوسری جانب پاکستان میں اپنے رشتہ داروں کو ہدایت کر دیں تا وقت ضائع نہ ہو۔

ناظر دعوۃ و تبلیغ قادیان

تحریک جدید دفتر اول سال ۱۹ ۳۱ اگست تک سو فیصدی وعدہ ادا کرنیوالوں کی چوتھی فہرست

۱ - مکرم بابو محمد رفیق صاحب مدرس ۱۰۵/۰/۰
۲ - مکرمہ اہلیہ بابو محمد رفیق صاحب ۵۵/۰/۰
۳ - مکرم سید فضل احمد صاحب پٹنہ ۲۰۰/۰/۰
۴ - مکرم غلام حسین صاحب حیدرآباد ۵/۴/۰
۵ - ؍؍ محمد اکرم صاحب فرزند سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدرآباد ۲۲/۰/۰
۶ - فرزندان و دختران محمد عبداللہ صاحب حیدرآباد ۱۴/۴/۰
۷ - مکرم محمد اسمٰعیل صاحب چڑچڑ احمدآباد ۷/۱۰/۰
۸ - محترمہ مریم خاتون صاحبہ بھاگلپور ۷/۰/۰
۹ - مکرم آغا احسان اللہ صاحب دہلی ۶۲/۸/۰
۱۰ - والدین مکرم غلام محمد صاحب آسنور ۱۰/۰/۰
۱۱ - مکرم رسول بی بی صاحب یادگیر ۶۱/۴/۰
۱۲ - مکرم عبدالغفار صاحب ؍؍ ۱۱/۰/۰
۱۳ - ؍؍ محمد اسمٰعیل صاحب غوری ؍؍ ۴۰/۰/۰
۱۴ - ؍؍ عبدالرحیم صاحب ؍؍ ۱۸/۸/۰
۱۵ - ؍؍ ڈاکٹر بشیر احمد صاحب درویش قادیان ۱۵۸/۰/۰
۱۶ - ؍؍ حکیم عبدالرحیم صاحب درویش قادیان ۳۰/۰/۰
۱۷ - ؍؍ مولوی عبدالقادر صاحب دہلوی درویش قادیان ۲۶/۰/۰
۱۸ - ؍؍ حاجی محمد الدین صاحب درویش قادیان ۵۴/۰/۰
۱۹ - مکرم سید محمد موسےٰ صاحب کٹکی مبلغ سلسلہ احمدیہ ۱۷/۸/۰
۲۰ - مکرم صلاح الدین صاحب ایم۔اے درویش قادیان ۷/۱۲/۰
۲۱ - اہلیہ صاحبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے درویش قادیان ۹/۱۲/۰
۲۲ - مکرم حافظ سخاوت علی صاحب ؍؍ ۶۰/۰
۲۳ - والدہ صاحبہ محمد اسحاق صاحب درویش قادیان ۵/۱۰/۰
۲۴ - مکرم مستری محمد حسین صاحب درویش قادیان ۲۲/۸/۰
۲۵ - ؍؍ سید محمد شریف صاحب ؍؍ ؍؍ ۱۰۵/۰/۰

میزان ۱۱۲۵/۸/۰

تحریک جدید دفتر دوم ۳۱ اگست تک سو فیصدی وعدہ ادا کرنے والوں کی چوتھی فہرست

۱ - بشیر الدین فرزند قاری محمد عثمان صاحب حیدرآباد ۵/۱۰/۰
۲ - جمیلہ خانم صاحبہ بھاگلپور بہار ۱۱/۰/۰
۳ - نجمہ خاتون صاحبہ ؍؍ ؍؍ ۸/۸/۰
۴ - محترمہ بی بی ام الوداع صاحب بھاگلپور بہار ۱۵/۰/۰
۵ - مکرم نور الدین صاحب غیر احمدی بھرت پور بنگال ۳/۰/۰
۶ - مکرمہ صابرہ خاتون صاحبہ بھرت پور بنگال ۵/۸/۰
۷ - والدہ صاحبہ مرحومہ صابرہ خاتون صاحبہ بھرت پور بنگال ۱/۰/۰
۸ - محترمہ والدہ صاحبہ مرحوم عبدالمطلب صاحب بھرت پور بنگال ۱/۰/۰
۹ - عبداللہ جلال الدین صاحب ابن عبدالمطلب صاحب بھرت پور بنگال ۱/۰/۰
۱۰ - مکرم محمد حنیف صاحب رالٹہ یو۔پی ۵/۰/۰
۱۱ - ؍؍ اسرار محمد صاحب ؍؍ ؍؍ ۳۵/۰/۰
۱۲ - ؍؍ انوار محمد صاحب ؍؍ ؍؍ ۲۵/۰/۰
۱۳ - ؍؍ محمد شریف صاحب ؍؍ ؍؍ ۷/۸/۰
۱۴ - ؍؍ عبدالواحد صاحب جہار آسنور ۵/۰/۰
۱۵ - مکرم عبدالواحد صاحب وانی آسنور ۵/۸/۰
۱۶ - مکرم اصغر حسین صاحب ناہنور ملکی ۰/۰/۰
۱۷ - مکرم ایم سلیمہ بیگم صاحبہ پینگاڈی ۵/۰/۰
۱۸ - ؍؍ وی پی ابوبکر صاحب ؍؍ ۱۰/۰/۰
۱۹ - مکرمہ امۃ المنیر بیگم صاحبہ یادگیر ۱۰/۲/۰
۲۰ - ؍؍ امۃ السلام بیگم صاحبہ ؍؍ ۸/۱۲/۰
۲۱ - ؍؍ امۃ النصیر بیگم صاحبہ ؍؍ ۸/۲/۰
۲۲ - مکرم عبدالحفیظ صاحب ؍؍ ۷/۰/۰
۲۳ - ؍؍ نعمت اللہ صاحب غوری ؍؍ ۸/۰/۰
۲۴ - مکرمہ رشیدہ بیگم صاحبہ ؍؍ ۵/۴/۰
۲۵ - ؍؍ زیب النساء و صدیقہ خاتون بنت عبدالرحمٰن صاحب کٹک ۵/۰/۰
۲۶ - مکرم عبدالباری صاحب ابن عبدالستار صاحب ۵/۰/۰
۲۷ - ؍؍ ایم کے حیدر صاحب منگلاٹ ۵/۴/۰
۲۸ - ؍؍ بشیر احمد صاحب حافظ آبادی درویش قادیان ۳۰/۱/۰
۲۹ - ؍؍ ابن بشیر احمد صاحب حافظ آبادی درویش قادیان ۰/۵/۰
۳۰ - ؍؍ مولوی بشیر احمد صاحب بانگروی درویش قادیان ۳۰/۹/۰
۳۱ - مکرم بشیر احمد صاحب خادم درویش قادیان ۱۲/۱۴/۰
۳۲ - والدہ صاحبہ مرحومہ بشیر احمد صاحب ناصر درویش قادیان ۵/۱/۰
۳۳ - مکرم مستری عبدالسبحان صاحب درویش قادیان ۶/۰/۰
۳۴ - ؍؍ سید محمد صاحب گجراتی درویش قادیان ۲۷/۱۲/۰
۳۵ - والدہ صاحبہ بھاگ صاحب امرتسری درویش قادیان ۵/۰/۰
۳۶ - بابا جلال الدین صاحب درویش قادیان ۵/۶/۰
۳۷ - چوہدری حسن دین صاحب درویش قادیان ۸/۱۲/۰
۳۸ - شریف احمد صاحب ڈوگر درویش قادیان ۲۸/۸/۰
۳۹ - اہلیہ صاحبہ بھائی بہادر خان صاحب درویش قادیان ۵/۰/۰
۴۰ - نور جہاں بیگم صاحبہ اہلیہ مولوی عبدالقادر صاحب دہلوی درویش قادیان ۵/۴/۰

قادیان - ۱۲ ستمبر آج میونسپل کمیٹی قادیان کا سپیشل اجلاس زیر صدارت گیانی لابھ سنگھ صاحب فخر منعقد ہوا۔ کمیٹی نے مولوی عبدالغنی صاحب میونسپل کمشنر کی اہلیہ محترمہ کی وفات حسرت آیات پر ماتمی ریزولیوشن پاس کیا۔
فیصلہ ہوا کہ:۔
ریزولیوشن کی نقول امیر صاحب اور پریس کو بھیجی جائیں۔

وفات میاں ... صاحب کی بیوی ۱۵/۱۶ اگست کی درمیانی رات کو اس دار فانی سے رحلت کر گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ فضل الٰہی موصیہ تھیں اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں ۱۷ اگست کو مدفون ہو گئی ہیں۔ خدا تعالیٰ مرحومہ کو اپنے فضلوں کے سایہ تلے جگہ عطا فرمائے اور مرحومہ کو درجات بلند عطا فرمائے اور پسماندگان کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین
والسلام خاکسار عبدالواحد ... اللہ عنہ سپرنٹنڈنٹ فائننس ... دہلی

دیوناگری رسم الخط

ہندی زبان قومی زبان بن جانے سے ایک چیز دوسری ہوگئی ہے۔ اب ہندوستانی دوسری ہندوستانی زبانوں کے بولنے اور لکھنے والے اس کا اپنی اپنی زبانوں۔ رسم خط اور ادب سے مقابلہ اور موازنہ کرنے کے خواہش مند ہیں۔

ہندی کی ایک کمزوری اس کا رسم خط ہے اس میں کئی خامیاں ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک لطیفہ سننے میں آیا ہے کہ ایک بار آل انڈیا ریڈیو دہلی میں کسی گانے والے کو غزل دیوناگری میں لکھ کر دی گئی تھی۔ اس غزل کا ایک ٹکڑا تھا "پروانہ آتا ہے"۔ اس نے اس کو پڑھا "پکھانہ آتا ہے"۔ اور یہی گا بھی دیا۔ وجہ یہ ہے کہ دیوناگری میں پرواز اور پکھ نہ کی لکھاوٹ میں بے حد کم فرق ہے۔ جو لکھنے میں قریب قریب غائب ہو جاتا ہے۔ پروانہ یوں لکھا جاتا ہے (परवाना) اور پکھانا یوں لکھا جاتا ہے (पखाना) یعنی اگر ب اور ح میں فاصلہ زیادہ ہو تو وہ "ر" اور "و" ہیں ورنہ کھا ہیں۔

اب اگر دیوناگری کو ایسا رسم خط بننا ہے جس سے ہر زبان کے بولنے اور لکھنے والا فائدہ اٹھا سکے تو اس کو ایسا بننا چاہئے کہ پروانہ اور پکھانا میں اشتباہ نہ ہو سکے۔

یہ صرف ایک پہلو ہے اس خط کی کمزوری کا۔ اس کے علاوہ اور بھی کمزوریاں ہیں۔ مثلاً کئی حروف ایسے ہیں۔ جو تیزی سے لکھنے میں یکساں ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ تھا اور کھ مل جاتے ہیں وا اور با میں اشتباہ ہو جاتا ہے۔ ان باتوں سے لکھی ہوئی تحریر میں اگر ایک آدھ بھی نامانوس الفاظ آ جاتے ہیں۔ تو پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ (منقول از الجمعیۃ دہلی مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۵۳ء)

شری بھیم سین سچر چیف منسٹر پنجاب کا اہم بیان

اب جبکہ یوم آزادی کی تقاریب ختم ہو گئی ہیں وقت آگیا ہے کہ ہم اُن تمام پیشگیاؤں کے متعلق سوچیں جو ہم نے اس دن پنجاب کو صحیح معنوں میں ایک خوشحال اور رہبان راجیہ بنانے کے متعلق کی تھیں۔ کسی راجیہ کی عظمت اس بات میں ہے کہ اُس کے اخلاقی و مادی ذرائع کی پوری نشوونما ہو۔ اور اُس کے باشندوں میں یہ احساس پیدا کیا جائے کہ حکومت کی نظروں میں وہ سب یکساں ہیں اور ہر ایک کو بلا امتیاز ذات، مذہب و ملت ترقی کرنے کے ایک جیسے مواقع حاصل ہیں۔ دوسرے الفاظ میں انہیں اپنے مفاد و خیالات کے مشترکہ ہونے کا احساس ہونا چاہیئے۔ اور وہ اپنے دائرہ میں ان آدرشوں کی روشنی میں ہی کام کرتا ہے۔

پنجاب سرکار راجیہ کی مادی ذرائع کو نشوونما دینے کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔ اس بارے میں جو اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ اُن کے متعلق بیان تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ زرعی اصلاحات کی جا رہی ہیں۔ زراعت ترقی ہو رہی ہے۔ آبپاشی سڑکوں کی تعمیر، بجلی کی سستی سپلائی، مزدوروں کی بہتری و بہبودی، کمیونٹی پراجیکٹ، صنعتی ترقی اسکے تعلیمی ادارے و ہسپتال کھولنے کے وسیع پروگراموں کو عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔ اور اس بارے میں ایک بات کا دھیان رکھنا ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو کچھ بھی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اُس میں فرقہ دارانہ یا مذہبی مصلحتوں یا امتیاز کو ذرہ بھر بھی دخل حاصل نہیں ترقی کی سکیمیں کسی ذات، فرقے یا مذہب کو نہیں جانتیں بلکہ ان سب کا مقصد سارے راجیہ اور اس کے عوام کے مادی ذرائع میں بحیثیت مجموعی اضافہ کرنا ہے۔

مذہب کے معاملہ میں سرکار کی پالیسی مداخلت نہ کرنے کی ہے۔ ہر شخص کا مذہبی عقیدہ اس کا نجی معاملہ ہے۔ اور وہ مذہبی رسومات کی پابندی میں اس حد تک بالکل آزاد ہے۔ جہاں تک کہ وہ خلاف قانون حرکت نہ کرے۔ اور دوسروں پر اپنے خیالات طاقت یا دباؤ کے ذریعے ٹھونسنے کی کوشش نہ کرے۔ امن و امان قائم رکھنا حکومت کا فرض ہے۔ گو سرکار مذہب کے تعلق میں بالکل غیر جانبدار رہنے کا تہیہ کئے ہوئے ہے۔ تاہم وہ کسی کو مذہب کے نام پر قانون توڑنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ اس لئے بعض لوگوں کی طرف سے کبھی کبھی حکومت پر جو الزام اُن کے مذہب میں مداخلت کرنے کا لگایا جاتا ہے بالکل بے بنیاد ہے۔ اس تعلق میں گوردوارہ الیکشن کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ میری سرکار ان انتخابات کو جلد از جلد کرانے کے لئے بے قرار ہے۔ تاہم کچھ تاخیر، جو کہ روکی نہیں جا سکتی ہونی لازمی ہے۔ ملک کی تقسیم کی وجہ سے ووٹروں کی نئی رجسٹریشن ضروری ہے۔ اور اس کے لئے کافی وقت چاہیئے۔ ابتدائی فہرستوں کی اشاعت میں بھی وقت لگے گا۔ چونکہ ووٹروں کی فہرست تیار کرنے اور چھپوانے میں دیر لگتی ہے اس کے بعد اعتراضات و کلیم کے اُن کی سماعت کرنی ہوگی۔ اور پھر ووٹر فہرست کی دوبارہ اشاعت ہوگی۔ ان میں سے کچھ امور کے لئے قانون نے میعاد مقرر کر رکھی ہے۔ اس پروگرام کے پیش نظر چند ماہ کے بعد ہی الیکشن ہو سکتے ہیں۔ ابتدائی تیاریاں مکمل ہو رہی ہیں۔ اور خیال ہے کہ ووٹروں کی فہرستوں کی تیاری اسی ماہ میں شروع ہو جائیگی اگلے جون تک پولنگ ہو جائے گا۔ اس عرصہ کو بھی کم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

اُوپر بیان کئے گئے مقاصد کے حصول کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر طبقہ کے لوگوں کو سرکاری ملازمت حاصل کرنے کے برابر کے مواقع ہوں سرکاری ملازمتوں کے لئے صرف قابلیتوں کی بنا پر ہی کی جاتی ہے ماسوائے اُن شیڈیولڈ جاتیوں و قبیلوں کے، جن کو خاص تحفظ دیا گیا ہے۔ ایک پبلک سروس کمیشن، جس کے ممبر مسلمہ طور پر ایماندار آزاد و غیر جانبدار ہیں۔ ۱۵۰/- روپے یا اس سے زیادہ طلب کی آسامیوں کو پُر کرتا ہے۔ جہاں تک ان آسامیوں کو پُر کرنے کا تعلق ہے کوئی ناجائز مصلحت اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ کافی غور و خوض کے بعد ہم نے ۵۰/- روپے سے ۱۵۰/- روپیہ کی آسامیوں کو پُر کرنے کے لئے ایک سبارڈینیٹ سروسز سلیکشن بورڈ قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس بورڈ کے ممبروں کا انتخاب پبلک سروس کمیشن کے ممبروں کی طرح ہی کیا گیا ہے۔ نتیجہ کے طور پر چھوٹی آسامیوں کی بھرتی بھی ایسے طریق پر ہوگی۔ جس پر کوئی جائز اعتراض نہیں ہو سکتا۔ حکومت نے اپنے اوپر اپنے افسران سے تقرری کے تمام اختیارات چھین کر اس اعتراض کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ سرکاری ملازمتوں میں بھرتی کے بارے میں کوئی فرقہ وارانہ و مذہبی امتیاز ہوتا جاتا ہے راجیہ کی آرتھک اُنتی و سب کو ترقی کے برابر کے مواقع مہیا کرنے کے آدرش جو سرکار اپنے سامنے رکھے ہوئے ہے کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ پسماندہ جماعتوں کی سوشل و تعلیمی ترقی کے لئے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے اور تمام پسماندہ جماعتوں سے بلا لحاظ مذہب و ملت ایک سا برتاؤ کیا جائے۔ ایک پسماندہ سکھ، عیسائی یا مسلمان کو اتنی ہی مدد کی ضرورت ہے جتنی کہ ایک پسماندہ ہندو کو۔ بعض حلقوں کا کہنا ہے کہ شیڈولڈ جاتیوں کی تعریف کرتے وقت مذہبی امتیاز برتا گیا ہے۔ اور یہ امتیاز اُڑا دینا چاہیئے۔ دیش کی حکومت کو ایسی تمیز پیدا کرنے کی کوئی خواہش نہ تھی۔ گو یہ سچ ہے کہ جن ذاتوں کو شیڈولڈ قرار دیا گیا اُن میں سے اکثریت ہندو ذاتوں میں سے ہے۔ مگر اس کی بڑی وجہ یہ تھی۔ کہ کسی اور فرقہ نے ذات پات کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ کچھ سکھ ذاتیں بھی فہرست میں اُن کے لیڈروں کے کہنے پر شامل کر لی گئی تھیں۔ تاہم پنجاب سرکار نہیں چاہتی کہ کسی ٹیکنیکل وجوہات کی بنا پر راجیہ کی کوئی پسماندہ جماعت تکلیف اُٹھائے۔ چنانچہ ہم نے اس تکلیف کا بیدھا علاج کرتے ہوئے سکھوں و دو دھروں کی اُن ذاتوں کو جو نوٹیفائیڈ شیڈولڈ ذاتوں سے مطابقت رکھتی ہوں۔ پسماندہ جماعتیں قرار دیا ہے۔ آئین کی رُو سے وہ تمام مراعات جو شیڈولڈ ذاتوں کو حاصل ہیں پسماندہ جماعتوں کو بھی دی جا سکتی ہیں۔ سوائے لیجسلیچر میں نشستوں کی ریزرویشن (تخصیص) کے، جو کہ اتنے قلیل عرصہ کے لئے ہے۔ کہ اس کے فوائد کم و بیش برائے نام ہیں۔ یہ بھی تجویز ہے کہ راجیہ سرکار کی طرف سے شیڈولڈ جاتیوں کو دی گئی ہر رعایت پسماندہ جماعتوں کو بھی دی جائے۔ پنجاب سرکار تمام پسماندہ جماعتوں کے ساتھ بلا لحاظ اس بات کے کہ وہ کس مذہب سے تعلق رکھتی ہیں۔ نوٹیفائیڈ شیڈولڈ جاتیوں جیسا سلوک کرے گی۔

زبان ایک اہم متحد طاقت ہے۔ ہندی ملک کی قومی زبان تسلیم کی گئی ہے۔ میری گورنمنٹ نے پنجابی کو علاقائی زبان تسلیم کیا ہے۔ اور ہم اس کو نہ صرف علاقائی زبان کے پوری طرح تسلیم کئے جانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے۔ بلکہ اس کی نشوونما کو ہر پہلو پر تیز کریں گے۔ دراصل اسی مقصد کے لئے سچر فارمولا بنایا گیا تھا۔ اس طرح سے ہندی اور پنجابی دونوں کو لازمی سیکھنا پڑے گا۔

جہاں تک پنجابی صوبہ کا تعلق ہے۔ اس معاملہ کو نپٹانا پنجاب سرکار کا کام نہیں ہے۔ گو حکومت اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتی۔ کہ ایسے مطالبے کی ہندوؤں، سکھوں اور دوسروں کی طرف سے کافی مخالفت کی جا رہی ہے۔ اس معاملہ پر زور دینے کی کوئی وجہ نہیں رہتی۔ جبکہ بھارت سرکار نے ریاستوں کی از سر نو تقسیم کے لئے اعلیٰ اختیارات رکھنے والا کمیشن مقرر کرنے کا اعلان کیا ہے۔

اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ حکومت وہ سب کچھ کر رہی ہے۔ جو کہ ایک مضبوط سیکولر راجیہ کے قیام کے لئے، جس میں ہر ایک کو بلا امتیاز مذہبی عقیدہ، پیدائش و پیشہ۔ اخلاقی۔ اقتصادی و کلچر ترقی کرنے کے برابر کے مواقع حاصل ہوں ضروری ہے۔ حکومت یہ کام اکیلی نہیں کر سکتی۔ اس کے لئے پبلک کے ہر خیال کے لیڈروں کو مکمل تعاون دینا چاہیئے۔ میں اُن سب سے امداد کے لئے اپیل کرتا ہوں۔ پنجاب کے شاندار مستقبل کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہ بننے دیں۔ ہم سب کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ پنجاب نہ صرف سرحدی ریاست ہے بلکہ بازوئے شمشیر زن ہے۔ اور یہ ہمارا سوکھا گیہ ہے۔

صوبہ میں ایماندارانہ و تعمیری لیڈرشپ کے لئے کافی گنجائش ہے۔ دیہاتی علاقے ایسی رہنمائی کے لئے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں۔ عوام میں نہایت تیزی سے سیکولرزم پر مشترکہ شہریت کا احساس نشوونما پا رہا ہے۔ ہم سب اس امر کا جائزہ لیں۔ اور تمام تر ذرائع صوبہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔ یہ پنجاب جس کی اگر ہم نے پورے خلوص اور ایمانداری سے خدمت کی تو بہت جلد [illegible] بھارت ماتا کی کرپا سے بھارت ورش کے لئے قابل رشک صوبہ بن جائے گا۔

دنیا کی نصف آبادی ناخواندہ ہے

پیرس ۸ ستمبر کل یہاں اقوام متحدہ کی طرف سے جو رپورٹ شائع ہوئی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ دنیا کے نصف مرد اور عورت نہ تو پڑھ سکتے ہیں اور نہ لکھ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ دنیا کی نصف آبادی کے بچوں کے پڑھنے کے لئے اسکول ہی نہیں ہیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ بعض ممالک میں پیدائش تناسب اسکول وغیرہ کی نئی عمارتوں کی تعمیر کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔ جس کے نتیجہ میں ناخواندگی میں اضافہ ہو رہا ہے اس ناخواندگی پر قابو پانے کے لئے رپورٹ میں ان تمام ممالک میں لازمی تعلیم کے اجراء پر زور دیا گیا ہے۔ جہاں ابھی تک لازمی تعلیم نہیں ہے۔